

اقدار کی تعلیم - حیاتی مہارتیں

کتابچہ برائے اساتذہ

جماعت: دہم



ریاستی ادارہ برائے تعلیمی تحقیق و تربیت

تلنگانہ، حیدرآباد



پیش لفظ

انسان سماجی جانور ہے۔ اپنی بقاء کے لیے ضروری سماج کی تشکیل دیا ہے اس نظام کی دیکھ بھال، میل جول، بقاء اور ترقی کے لیے ضروری فہم اور بھروسہ ضروری ہے۔ اس کے لیے متحدہ جدوجہد اور باہمی تعاون بھی ضروری ہے۔ اس لیے انسانی سماج میں جانے پہچانے اور پسندیدہ اصولوں کی ضرورت ہے۔ جیسا ہم چاہتے ہیں ویسا برتاؤ کر نہیں سکتے۔ ہر سماج کے اپنے کچھ اخلاقی بنیادی اصول ہوتے ہیں۔ یہ اخلاقی اصول اکثریت کے لیے قابل قبول ہوتے ہیں۔

ایمانداری کے اصول ہمارے چال و چلن کے لیے مشعل راہ ہیں۔ اس لیے بچوں کو بھی چاہیے کہ اس پر عمل پیرا ہوں۔ اخلاقی ترقی سے مراد کچھ اصولوں پر عمل پیرا ہونا ہے یا کسی کے ذریعہ ترتیب دیئے گئے مثالی نمونوں کے مطابق عمل پیرا ہونا ہی نہیں ہے بلکہ اخلاقی ترقی سیراد ہر موع پر صحیح وجوہات کی جانکاری حاصل کرنا، مدبرانہ فیصلہ کرتے ہوئے اس کے مطابق عمل پیرا ہونے کی صلاحیت کے حامل ہونا اخلاقی شعور کے ذریعہ لیے گئے فیصلہ سے ہم میں استقامت، امن و سکون سے رہنے کی صلاحیت فروغ پاتی ہے۔ یہ کام مجھے زبردستی تفویض کیا گیا ہے۔ ”اس لیے میں اس کو تکمیل کر رہا ہوں“ اس طرح کی منفی سوچ ہمیں نہیں رکھنا چاہیے۔ اس طرح ایک شخص کا خود امن و سکون، سکھ چین، آرام اور استقامت سے رہنا ہی اخلاقی ترقی کا خلاصہ ہے۔ اس کے لیے ضروری مہارتوں کا ہونا ہی زندگی کا ہنر ہے۔ اس میں مسائل کو حل کر لینا، بل جل کر کام انجام دینا، جذبات کا اظہار کرنا، قیادت کرنا، دوسروں سے خوشگوار تعلقات استوار کرنا ضروری ہے۔

یہ ایک اہم رجحان ہے کہ آج معاشرہ میں اخلاقی اقدار بد قسمتی سے زوال پذیر ہے۔ ہمارے اندر موجود مفاد پرستی، لالچ، بے ایمانی، اخلاقی اصولوں کا استحصال خود غرضی، انا پرستی جیسی بری عادتوں کی وجہ سے ہم اپنی زندگی کو پیچیدہ بنانے کے ساتھ ساتھ اپنے ماحول کو بھی آلودہ کر رہے ہیں۔ اس سے بے چینی میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اخلاقی اقدار میں زوال کے ساتھ ساتھ بڑھتے ہوئے ذہنی تناؤ تہمتیں نہیں ہوتے ہوئے انسانی اخلاق اور انسانی رشتوں کو ہم محسوس کر سکتے ہیں۔ یہ تمام ایک دن یا ایک سال میں رونما نہیں ہوتے ہیں۔ ہماری زندگیوں میں صبر، مساوات، اچھے برے کی تمیز کا فقدان اس کی اصل وجہ ہے۔ اس کی جگہ پر لالچ، چوری جیسی بری عادتیں جنم لے رہی ہیں۔ نتیجتاً سماج میں عدم تحفظ، عدم اعتمادی، چھوٹا خاندان، اقدار کی زوال پذیری، سماج میں بے چینی جیسے امور دیکھے جا رہے ہیں۔

ان کے تدارک کے لیے تعلیم کو ایک آلہ سمجھتے ہوئے اقداری تعلیم، حیاتی مہارتوں کے موضوع کو اسکولی تعلیم میں جماعت اول تا دہم ایک اہم مضمون کے طور پر متعارف کیا گیا ہے۔ اس کے ذریعہ نچے اسکولس تعلیم کے مکمل کرنے تک استدلالی غور و فکر کے حامل شہری کی طرح نشوونما پانے کے لیے درکار تربیت حاصل کریں گے۔

اعلیٰ اقدار، روئے، جذبہ ایثار، سماج ماحول اور اپنے ساتھیوں کے متعلق مخلصانہ و ہمدردانہ رویہ کا اظہار، ذمہ دار شہری



کے طور پر نشوونما کے لیے درکار نصاب (Syllabus) ریاستی ادارہ برائے تعلیمی تحقیق و تربیت حیدرآباد کی جانب سے تیار کیا گیا ہے۔ بچے آزادی سے گفتگو کرنا، سوالات کرنا، رد عمل ظاہر کرنا، اچھے برے کی تمیز کرنے کے قابل ہوں یہ بات ریاستی درسیاتی خاکہ 2011 کے ریاستی ویژن میں بیان کئے گئے ہیں۔ اس کو مد نظر رکھتے ہوئے ریاست میں جماعت اول تا دہم تک اقداری تعلیم، حیاتیاتی مہارتیں نصاب تدوین کیا گیا۔ پھر جماعت واری تدریسی واکتسابی کارگزاری کے لیے اساتذہ کے لیے کتابچہ تیار کیا گیا۔ جماعت اول تا دہم تک فروغ دیے جانے والے 18 اہم اقدار کی شناخت کر کے ہر جماعت میں ان کے متعلقہ اسباق سے جوڑ دیا گیا ہے۔ جو

(1) آزادی (2) مطمئن زندگی (3) کردار سازی (4) زندگی کی مہارتیں (5) احساس ذمہ داری (6) بچت (7) صحت کی قدر (8) تہذیب و تمدن سے محبت (9) سائنسی رجحان (10) انصاف (11) امن و چین سے مل جل کر زندگی گزارنا (12) محنت کی قدر (13) خدمت کا جذبہ (14) مساوات، بھائی چارگی، خواتین کے تئیں عزت (15) قومی جذبات۔ حب الوطنی (16) سیکولرزم۔ مذہبی رواداری (17) جمہوریت میں اقدار سے محبت (18) ایمانداری

ان میں سے 12 تعین سطحی اقدار اور فوقانوی سطح کے لیے جملہ 8 اقدار پر متعین ہے۔ ایک ایک قدر، ذیلی قدر کو تعین کرتے ہوئے اسباق تیار کئے گئے ہیں۔

اقدار (اخلاق) تدریس کے ذریعہ حاصل نہیں ہو سکتے۔ اس کا حصول عمل کے ذریعہ ممکن ہے۔ لہذا جماعت واری تیار کئے گئے اساتذہ کے کتابچہ میں، مناظر، واقعات، ہر منحصر بحث و مباحثہ، عمل کرنا، رد عمل ظاہر کرنا، جیسے سرگرمیوں سے مربوط ابواب شامل ہیں۔ مباحثہ کے ذریعہ روئے کی تربیت ہونا چاہئے۔ عمل کے ذریعہ برتاؤ میں تبدیلی کی امید کرتے ہوئے اسباق تیار کئے گئے ہیں۔ اس کو رو بہ عمل لانا چاہئے۔ ہماری ذمہ داری ہے اساتذہ کی رہنمائی کے لیے ہدایات کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ اسی طرح طلباء کے لیے ہدایات بھی موجود ہیں۔

چاہے کتنا ہے اچھا کتابچہ کیوں نہ ہو وہ معلم کی برابری نہیں کر سکتا۔ معلم خود کو ایک مثالی نمونہ کے طور پر پیش کرتے ہوئے اقدار کے فروغ کی کوشش کرے۔ نصابی منصوبہ اور جماعت واری منصوبہ کے تحت تیار کئے گئے کتابچہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے درس و تدریس کا کام انجام دیں۔ دستور ہند کے دیباچہ میں بتائے گئے عملی اقدار، روئے، استعداد لانی غور و فکر کے حامل شہری کی طرح فروغ پانے کے لیے ایک معلم کی حیثیت سے ہماری جانب سے پوری پوری کوششیں ہونی چاہئے۔ اس کتابچہ میں موجود نکات سے آپ کو کچھ حد تک رہنمائی مل سکتی ہے۔ اسی تک محدود نہ ہوتے ہوئے اس کے علاوہ دوسرا زائد مواد جمع کر کے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ اقدار پر مبنی سماج کی تشکیل کے لیے ہماری یہ ادنیٰ کوشش چاہے ذرہ برابر ہی کیوں نہ ہو طلباء کے ذہنوں کو منور کرے گی۔ اس اعتماد کے ساتھ کوششیں کریں گے اور کامیابی حاصل کریں گے۔



مرتبین

شری سورتا و نانک، کوآرڈینیٹر، ایس سی ای آر ٹی، حیدرآباد	شری سورتی کے آر ٹی ایل جیو ترمسی، کچھرا ایس سی ای آر ٹی، حیدرآباد۔
شری ٹی وی ایس ریش، کوآرڈینیٹر، ایس سی ای آر ٹی، حیدرآباد	شری تی یو بیگما، تگلو پنڈت، ایس سی ای آر ٹی، حیدرآباد۔
شری سری نیواسولا رگھورام، معلم، پرائمری اسکول گرنڈھی سری، ضلع نیلور	شری سورتی ونگا پوری سورنالتا، معلمہ، GHS، پاتا پنٹم، پولادورم، ضلع مغربی گوداوری
شری ایل ایم، پرساد، معلم، GHS، CPL، امیر پیٹ، حیدرآباد	شری سورتی آگوڈوری سرلماس، معلمہ، GPS، چیرلا پٹی، چتور ضلع
شری بسیلو لا پرتاپ، معلم، GPS، گما، چیتنا، عادل آباد	شری سورتی پی مادھوی، تگلو پنڈت، بی وی بی اے آر اسکول جوہلی ہلس، حیدرآباد
شری بلگم رام موہن، معلم، GPS، رویندراپور، مدھول، ضلع عادل آباد	شری سورتی جی بسرالادیوی، معلمہ، GPS، گنگاپور، محبوب نگر

شری نندی گاما کشورکار، تگلو پنڈت، GHS، اپاٹور، ضلع محبوب نگر

معاونین

شری سورتی ڈاکٹر رما دیوی، کچھرا، ایس سی ای آر ٹی، حیدرآباد۔	شری وی سرتھ با بو، تگلو پنڈت، بیتا بھل منڈی، حیدرآباد۔
شری ڈاکٹر ڈی نریش با بو، تگلو پنڈت، GHS، گوسا ڈو، ضلع کرنول۔	شری ڈی چنیا، اسکول اسٹنٹ، بگت گیری نگر، رنگار پٹی۔
شری آر وٹھل شرما، معلم، ضلع کریم نگر۔	شری ڈاکٹر جی وشنو پرساد، اسکول اسٹنٹ، ضلع کرشنا۔
شری کے بشویشور راؤ، معلم، ضلع سریکا کلم۔	شری ڈی چناراؤ، تگلو پنڈت، ضلع وجیا نگر۔

شری اے سری نیواس راؤ، اسکول اسٹنٹ، ضلع وجیا نگر۔

ایڈیٹر اینڈ کوآرڈینیٹر

جناب محمد افتخار الدین شاد، ریاستی ادارہ برائے تعلیمی تحقیق و تربیت، تلنگانہ، حیدرآباد۔

مشیر

جناب ڈاکٹر این او پیندر ریڈی، پروفیسر و صدر شعبہ نصاب و درسی کتب، ریاستی ادارہ برائے تعلیمی تحقیق و تربیت، تلنگانہ، حیدرآباد

مشیران اعلیٰ

جناب ایس جگناتھ ریڈی

ڈائریکٹر،

ریاستی ادارہ برائے تعلیمی تحقیق و تربیت، تلنگانہ، حیدرآباد۔

جناب جی۔ گوپال ریڈی

سابق ڈائریکٹر،

ریاستی ادارہ برائے تعلیمی تحقیق و تربیت، تلنگانہ، حیدرآباد۔



اسمائے مترجمین و مرتبین

- جناب محمد عبدالمنین، گزٹیڈ ہیڈ ماسٹر،
ضلع پریشد چونا پٹی، ضلع نظام آباد۔
- جناب محمد ظہیر الدین، اسکول اسٹنٹ،
ضلع پریشد ہائی اسکول، آرمور، ضلع نظام آباد۔
- جناب محمد عبدالمعز، اسکول اسٹنٹ
گورنمنٹ ہائی اسکول، سواران، ضلع کریم نگر۔
- جناب محمد یسین شریف، گزٹیڈ ہیڈ ماسٹر،
نئی کودور، ضلع ورنگل۔
- جناب محمد مظفر اللہ خان، اسکول اسٹنٹ (اردو)
گورنمنٹ ہائی اسکول درگماں گڈہ، ضلع کریم نگر۔
- جناب محمد سرور، اسکول اسٹنٹ،
گورنمنٹ ہائی اسکول کرم پورہ، ضلع کریم نگر۔
- جناب عطا الرحمن، اسکول اسٹنٹ
ایم پی یو پی ایس، جنارم، ضلع عادل آباد۔
- جناب خورشید علی ہاشمی، اسکول اسٹنٹ
گورنمنٹ گزٹیڈ ہائی اسکول نمبر 1، ضلع عادل آباد۔
- جناب محمد علیم الدین، اسکول اسٹنٹ
ضلع پریشد ہائی اسکول، پتلور، ضلع رنگاریڈی۔
- جناب عبدالرؤف، اسکول اسٹنٹ
ضلع پریشد ہائی اسکول (ذکور) اوکور، ضلع محبوب نگر۔
- جناب محمد نذیر احمد، موظف لکچرر
ایس بی ای آر ٹی، حیدرآباد۔
- ڈاکٹر محمد عبدالقدیر، اسکول اسٹنٹ،
ضلع پریشد ہائی اسکول، پوتھ، ضلع عادل آباد۔
- جناب افضل احمد شرفی، معلم اردو
گورنمنٹ ہوائی اسکول، کوٹلہ عالیجاہ، حیدرآباد۔
- جناب محمد عبدالرحمن شریف، معلم اردو
گورنمنٹ ہائی اسکول، پولیس لائن ضلع محبوب نگر۔
- جناب محمد حمید خان، معلم اردو
جامعہ عثمانیہ، حیدرآباد۔
- جناب خواجہ مخدوم محی الدین، اسکول اسٹنٹ،
ضلع پریشد ہائی اسکول، راما گندم، ضلع کریم نگر۔
- جناب انصار اللہ، اسکول اسٹنٹ
گورنمنٹ ہائی اسکول، اسرئی کالونی، نزل، ضلع عادل آباد۔
- جناب محمد ایوب احمد، اسکول اسٹنٹ
ضلع پریشد ہائی اسکول (اردو)، آتما کور، ضلع محبوب نگر۔
- جناب ارشد محمد، ایس آر جی۔
ایم پی پی ایس، بیما گڈہ، ضلع عادل آباد۔
- جناب محمد اعجاز الدین، ایس جی ٹی
گورنمنٹ پرائمری اسکول، نیابازار، ضلع کھمم۔



اساتذہ کے لیے ہدایتیں

- ”اقدار کی تعلیم- حیاتی مہارتیں“ کتابچے جماعت اول تا دہم ترتیب دی گئی ہیں یہ کتابیں بچوں کو ملحوظ رکھ کر تیار کی گئی ہیں۔ یعنی اساتذہ ان کا استعمال تدریسی و اکتسابی سرگرمیوں کے نظم اور بچوں کے خود اکتساب کے لیے استعمال کر سکتے ہیں۔
- ایک تعلیمی سال میں محکمہ تعلیمات کی جانب سے مضمون واری مختص کیے گئے پیریڈ کی تعداد کے مطابق جماعت واری اسباق کو شامل کیا گیا ہے۔
- جماعت ششم تا جماعت دہم ہفتہ میں 48 پیریڈ ہوتے ہیں۔ ان میں ہر مضمون کے تحت پیریڈ کی تقسیم حسب ذیل ہوگی۔

زبان اول	-	6 پیریڈ	-	سماجی علم	-	6 پیریڈ
زبان دوم	-	3 پیریڈ	-	اقدار کی تعلیم	-	2 پیریڈ
زبان سوم	-	6 پیریڈ	-	صحت و جسمانی تعلیم	-	3 پیریڈ
ریاضی	-	8 پیریڈ	-	فنون و ثقافتی تعلیم	-	3 پیریڈ
فزیکل سائنس	-	4 پیریڈ	-	کام، کمپیوٹر کی تعلیم	-	3 پیریڈ
حیاتیات	-	4 پیریڈ	-	جملہ	-	48 پیریڈ

- اقدار کی تعلیم حیاتی مہارتوں کے تحت تدریسی و اکتسابی سرگرمیوں کے نظام کے لیے تختانوی سطح پر ہفتہ میں ایک پیریڈ، فوقانوی سطح کے لیے ہفتہ میں دو پیریڈ ہیں اور اسی مناسبت سے اسباق ترتیب دیے گئے ہیں۔
- تختانوی سطح پر 12 اہم اقدار کی بنیاد پر 12 اسباق شامل کئے گئے ہیں۔ اسی طرح فوقانوی سطح پر 18 اہم اقدار کی بنیاد پر 18 اسباق شامل کیے گئے ہیں۔
- ان کے علاوہ اقدار کے فروغ میں معاون نظموں، کہانیوں، گیتوں، نغموں کو زائد طور پر شامل کیا گیا ہے۔ جماعت سے سوم سے ممتاز شخصیتوں کو بھی شامل کیا گیا ہے۔
- ایک سبق میں مضمون کی ترتیب حسب ذیل ہوگی۔
- ☆ سبق کا نام ☆ اہم قدر ☆ ذیلی قدر ☆ متوقع نتائج/ مقاصد ☆ تمہید/ مضمون/ واقعات/ بیانیے ☆ مشقیں- سوچنا- ردعمل ظاہر کرنا
- جماعت کا مشغلہ گروہی کام: عمل کرنا- تجربہ بیان کرنا ☆ قول
- اقدار کی تعلیم اور حیاتی مہارتوں سے تعلق رکھنے والے نکات خاص طور پر مباحثہ کے لیے ہیں۔ ان پر عمل کرتے ہوئے تجربات کے تبادلہ خیال کو اہمیت دی گئی ہے۔ لہذا جہاں تک ہو سکے انہیں لکھانے کی کوشش نہ کی جائے۔
- سوچنا- ردعمل ظاہر کرنا: کے تحت دیے گئے سوالوں کے ذریعہ کمرہ جماعت میں مباحثہ کا اہتمام کریں۔ مابعد کمرہ جماعت کا مشغلہ- گروہی کام کروائیں اسی طرح عمل کیجیے۔ تجربات بیان کیجیے کے تحت دیے گئے امور پر عمل آوری کرواتے ہوئے بچوں سے ان کے تجربات اور احساسات بیان کروائیں۔
- دیگر مضامین کی طرح اقدار کی تعلیم- حیاتی مہارتیں کی بھی جانچ کی جائے۔ ان کی جانچ مجموعی جانچ کی طرح کی جائے۔ یعنی ایک تعلیمی سال میں تین مرتبہ جانچ کرنی ہوگی۔ اس کے لیے امتحانات منعقد کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بچوں کا مشاہدہ کرتے ہوئے ان کے تجربات، اطلاق، چال چلن، اقدار وغیرہ کی بنیاد پر جانچ کی جائے۔



- ان کی جانچ 50 نشانات پر مشتمل ہوگی۔ اقدار کی تعلیم۔ مہارتیں کی بنیاد پر بچوں میں تعلیمی معیار کو فروغ دیں وہ اس طرح ہیں۔
- (1) اچھے اور برے کی تیز کرنا، اچھے کردار کے حامل ہونا (2) دستوری اصولوں پر عمل کرنا (3) شخصی اقدار یعنی قوت برداشت، رحمدلی، یگانگت وغیرہ کے حامل ہونا (4) حیاتی مہارتوں کے حامل ہونا (5) اساتذہ، بزرگوں، سماج اور حکومت کے تین مناسب رویہ کے حامل ہونا (6) مذکورہ بالا تعلیمی معیار کا جائزہ متعلقہ اسباق سے لیا جاپان کے حصول کو مد نظر رکھتے ہوئے اہم اقدار سے متعلق اسباق جماعت واری دئے گئے ہیں۔ ایک استعداد کے لیے 10 نشانات کے حساب سے 50 نشانات کے لیے جانچ منعقد کریں۔

- بچوں کی ترقی کا جائزہ لے کر گریڈنگ درج کریں۔

91%	-	A1
71% - 90%	-	A2
51% - 70%	-	B1
41% - 50%	-	B2
0% - 40%	-	C

- بچوں کی ترقی کی گریڈنگ درج کرتے وقت ان سے متعلق کیفیت بھی درج کریں۔

- تدریسی واکتسابی سرگرمیوں کے اہتمام کا طریقہ۔ تھانوی سطح

- تمہید سے واقف کروائیں۔

پہلا پیریڈ

- سبق سے متعلق مناظر یا حالات/واقعات/بیانے کسی ایک سے پڑھوائیں یا کہلوائیں۔

- سوچے۔ رد عمل ظاہر کیجیے کے تحت دیے گئے سوالوں کی بنیاد پر کمرہ جماعت میں مباحثہ منعقد کریں۔

- جالیے سے متعلق مواد کے بارے میں بچوں کو بتلائیں یا کسی ایک سے پڑھوائیں۔ مباحثہ کے ذریعہ فہم پہنچائیں۔

- کمرہ جماعت کا مشغلہ۔ گروہی کام کے لیے بچوں کو گروہی طور پر تقسیم کریں۔ ہر گروپ کے کام کا مظاہرہ کروائیں۔

- عمل کیجیے۔ تجربات بیان کیجیے سے متعلق امور پر عمل آوری گھر میں کرنے کے لیے کہیں۔

- کتاب کے آخر میں ضمیرہ کے تحت شامل کی گئیں کہانیوں/نغموں/نظموں/احادیث/ممتاز شخصیتوں کے بارے میں بچوں

تیسرا پیریڈ

- سے کمرہ جماعت میں پڑھوائیں اور مباحثہ کے ذریعہ فہم پہنچائیں۔

- اس کے بعد عمل کیجیے۔ تجربات بیان کیجیے سے متعلق ایک ایک طالب علم سے گفتگو کروائیں۔

- سبق کے آخر میں دیے گئے قول سے واقف کروائیں۔

- اسکولوں میں اقدار کی تعلیم، حیاتی مہارتیں کی کتابیں بچوں کو بھی دی جاسکتی ہیں۔ لائبریری پیریڈ یا نظہرانے کے درمیان بچوں کو مطالعہ کے لیے یہ

کتابیں دی جاسکتی ہیں۔

- اقدار کی تعلیم۔ حیاتی مہارتیں کے تحت دیے گئے مناظر یا حالات، واقعات، اقوال، نظمیں، احادیث، کہانیاں، ممتاز شخصیتوں سے متعلق مزید

نکات حاصل کر کے بچوں کو واقف کروا سکتے ہیں اور ان کی بنیاد پر مباحثے، گروہی کام، عمل کیجیے۔ تجربات بیان کیجیے وغیرہ کا اہتمام کیا جاسکتا ہے۔

- اسکول کی لائبریری میں موجود کتابوں، میگزینوں اخباروں وغیرہ کا استعمال کیا جاسکتا ہے۔

- طلباء کے لیے ہدایتیں بھی دی گئیں ہیں۔ ان ہدایتوں کو پہلے پیریڈ میں پڑھ کر سنائیں اور ان کے بارے میں سمجھائیں ان کے مطابق بچوں کو عمل

کرنے والا بنائیں۔



طلبا کے لیے ہدایات

- ☆ پیارے بچو! ”اقداری تعلیم، حیاتی مہارتیں“ نامی یہ کتاب آپ ہی کے لیے مرتب کی گئی ہے۔
- ☆ ان میں موجود اسباق، نظمیں، کہانیاں، اقوال زین، رہنماؤں سے متعلق آپ کے اساتذہ آپ کو بتلائیں گے یا پھر آپ خود پڑھیں، دوسروں کو بتائیں اور ان سے گفتگو کریں۔
- ☆ ہفتہ میں ایک دن اس کی تدریس کی جائے گی۔
- ☆ معلم کسی ایک عنوان کے پس منظر واقعہ کے عنوان کے مطابق طلباء میں کوئی ایک طالب علم پڑھنے کے بعد چند سوالات پوچھے گا، آپ ان سوالات کے جواب سوچ کر دیجئے اور بحث میں حصہ لیجئے۔
- ☆ کمرہ جماعت میں گروہی مشاغل کا انعقاد ہوگا۔ آپ اپنے ساتھیوں کے ساتھ مشاغل میں حصہ لیجئے۔ اپنے گفتگو کردہ نکات کمرہ جماعت میں بیان کیجئے۔
- ☆ عنوان کے تحت آپ کو کام تفویض کئے جائیں گے، تفویض کردہ کام کیجئے۔
- ☆ اس کے بعد والے پہرے کو کیا کیا گیا؟ آپ کو کیسا محسوس ہوا؟ اس سے آپ نے کیا سیکھا؟ وغیرہ اور اپنے تجربات بیان کیجئے۔
- ☆ اس کے تحت زیادہ تر نکات انجام دینے اور بیان کرنے کیلئے رکھے گئے۔ ان کو لکھنے کی کوشش نہ کریں۔
- ☆ آپ کو معلوم کردہ مباحث کردہ نکات کی بنیاد پر اخبارات، رسالوں کا مطالعہ کیجئے۔ ان کے ذریعہ جمع کردہ عنوانات، خبریں، اقوال زین وغیرہ کو کمرہ جماعت میں پڑھ کر سنائیں۔ اس کے بعد ان کو دیواری رسالہ پر چسپاں کریں۔
- ☆ ان نکات کی بھی جانچ ہوگی۔ لیکن ان کے امتحان ہوں گے۔ آپ کی ان سرگرمیوں میں شمولیت کیسی ہے؟
- ☆ آپ کا برتاؤ کیسا ہے؟ آپ میں کیا تبدیلی واقع ہوئی ہے؟ وغیرہ نکات کا آپ کے اساتذہ جائزہ لے کر نشانات دیں گے۔ اس کی بنیاد پر آپ کو گریڈ تک دی جائے گی۔
- ☆ اس طرح تعلیمی سال میں تین مرتبہ آپ کی جانچ ہوگی اور اندراج ہوگا۔ پہلا مجموعی، دوسرا مجموعی اور تیسرا مجموعی جانچ کے علاوہ آپ کی سرگرمیوں سے متعلق جائزہ لے کر آپ کی ترقی کا اندراج کیا جائے گا۔
- ☆ جماعت دہم کے میمورسٹیفکٹ میں بھی ان کی تفصیلات درج ہوں گی۔
- ☆ پکوان کتنا بہترین کیوں نہ ہو اس میں اگر ایک چٹکی نمک نہ ہو تو ذائقہ حاصل نہ ہوگا۔ اس طرح ہم چاہے کتنی بھی تعلیم حاصل کر لیں، کونسا بھی گریڈ حاصل کر لیں، اگر ہم میں ادب و احترام، قوت برداشت، حیا اور امتیاز نہ ہو تو ہماری قدر نہ ہوگی۔ لہذا اقداری تعلیم، حیاتیاتی تعلیم کے اسباق کے ذریعہ آپ ترقی حاصل کریں۔



فہرست مضامین

صفحہ نمبر	عنوان سبق	سکھائے جانے والی قدر	اہم قدر	سلسلہ نشان
1	مدرسہ میں آزادی	مدرسہ میں آزادانہ برتاؤ	آزادی	1
6	مددہی میں خوشی و مسرت	جذبہ خیر خیرات	مطمئن زندگی گزارنا	2
16	سادگی	سادگی کی اہمیت کو جاننا	کردار سازی	3
22	اچھی زندگی گذاریں گے	انسانی رشتے	حیاتی مہارتیں	4
30	قدرتی وسائل کا تحفظ	قدرتی وسائل کا تحفظ	ذمہ داریوں کی ادائیگی	5
35	وقت انمول ہے	وقت کی قدر و قیمت جاننا	بچت	6
41	اچھی غذائی عادتیں	اچھی صحت کے لیے اچھی غذائی عادتیں	صحت کی اہمیت	7
47	مہمان نوازی	مہمان نوازی - خدا کی خوش نودی	تہذیب و روایات	8
52	پانی کا تحفظ کریں	پانی کے وسائل آبی آلودگی کی روک تھام	ماحولیات کا تحفظ	9
60	آئیے ہم ہی حل تلاش کریں	مسائل کا مقابلہ	سائنسی رجحان	10
64	حقوق ذمہ داریاں	حقوق اور ذمہ داریوں سے واقفیت	انصاف	11



70	تشدد نہیں چاہیے	عدم تشدد کو فرض عین جاننا	امن وامان سے زندگی گزارنا	12
75	والدین کی محنت و مشقت کا احترام	ماں باپ کی محنت و محبت کو پہچاننا	وقت کی قدر	13
81	ہم اہل ہے جانیے	معذورین کی مدد	خدمت کا جذبہ	14
89	بھید بھاؤ نہ کرنا	بھائی چارگی کا تصور	برابری بھائی چارگی	15
95	حب الوطنی	قومیت کے تصور کے حامل ہونا	قومیت کا تصور	16
101	تمام مذاہب کا خلاصہ ایک ہے	دیگر مذاہب سے متعلق فہم	غیر مذہبی و مذہبی رواداری	17
106	اچھا خاندان	خاندان میں جمہوری قدریں	جمہوریت	18

ضمیمہ

- 1- احادیث
- 2- رباعیات
- 3- نظم رگیت
- 4- کہانیاں
- 5- ممتاز شخصیات



۱۔ مدرسہ میں آزادی

- I۔ اہم قدر : آزادی
 II۔ ذیلی قدر : مدرسہ میں آزادانہ برتاؤ
 III۔ مقاصد متوقع نتائج : ☆ مدرسہ میں فراہم کردہ آزادی کے جائز استعمال کی ضرورت کو جاننا

- ☆ مدرسہ میں فراہم کردہ آزادی کا غلط استعمال نہ کرنے کے بارے میں جاننا
 IV۔ تمہید : ترقی وہاں ہوتی ہے جہاں آزادی ہو۔ آزادی کا جائز

استعمال ہماری ذمہ داری ہے۔ دی گئی آزادی کے استفادہ سے ہی موثر نتائج حاصل ہوتے ہیں۔
 پر خلوص و با اعتماد طور پر دی گئی آزادی کے غلط استعمال سے ہماری ہی نقصان ہوتا ہے۔ ہم اعتماد کو کھودیتے ہیں۔ نظم و نسق کے نام پہ ہماری آزادی چھین لی جاتی ہے۔ آزادی کو کھونے کے بعد دوبارہ اس کی پابجائی ایک مشکل ترین امر ہے۔ مدرسہ میں دی گئی آزادی سے استفادہ کرتے ہوئے ترقی کرنی چاہئے۔ اچھے شہری بن کر ابھریں۔ اچھا نام کمالیں۔ مدرسہ میں دی گئی آزادی سے مستفید ہونا، اس سبق کا اہم مقصد ہے۔

V۔ موضوع

واقعہ۔ 1:

جماعت ششم میں ٹیچر اردو پڑھا رہی تھیں۔ احمد مدرسہ کو دیر سے پہنچا اور کلاس کے باہر آ کر کھڑا ہو گیا۔ ٹیچر نے احمد کی موجودگی کو محسوس کرتے ہوئے اندر آنے کے لئے کہا اور دیر سے آنے کی وجہ پوچھی۔ احمد نے ماں کی بیماری اور ہسپتال لانے اور لے جانے میں تاخیر کا بہانہ بنایا۔ ٹیچر نے افسوس ظاہر کرتے ہوئے کلاس میں بیٹھنے کی اجازت دی۔ احمد دل ہی دل میں خوش تھا کہ وہ ٹیچر کو اپنے جھوٹ سے مطمئن کرنے میں کامیاب ہوا۔ اس طرح ماں کی بیماری آڑ لے کر وہ ہفتہ بھر دیر سے



آتا رہا نہ صرف دیر سے آتا بلکہ اس بہانے ہوم ورک کرنا ہی چھوڑ دیا تھا۔ ادھر ٹیچر یہ سمجھ رہی تھی کہ بے چارہ احمد گھر میں ماں کی بیماری کی وجہ سے ہوم ورک نہیں کر پار رہا ہے۔ اس طرح احمد کھیل کود کا عادی ہو گیا۔

امتحان شروع ہوئے۔ سوالیہ پرچہ دیکھ کر احمد گھبرا گیا۔ کھیل کود کا عادی احمد سوالیہ پرچہ کے جوابات لکھنے سے قاصر رہا۔

واقعہ 2

ایک مدرسہ میں طلباء اپنے ناپسندیدہ موضوعات پر اپنے اساتذہ اور صدر مدرس سے بے خوف، بے باک انداز میں گفتگو کرتے ہیں۔ مدرسہ کے نظم و نسق، تدریس اور مدرسہ میں مروجہ سزاؤں کے متعلق سوالات کرتے ہیں۔ ان کے سیکھنے (اکتساب) کا عمل خوش گوار ماحول میں ہوا۔ امید کی جاتی ہے کہ مل جل کر تعلیم حاصل کریں گے۔ اسباق کی تدریس مستقل اور سزاؤں کی تجویز پر صدر مدرس و اساتذہ سے سوالات کرتے ہیں۔ ڈر اور خوف ان بچوں میں نظر نہیں آتا۔ سبق کی تفہیم نہ ہونے پر معلم سے پوچھ کر سیکھتے ہیں۔

واقعہ 3

ٹیچر کتابوں سے بھری تھیلی کے ساتھ کمرہ جماعت میں داخل ہوتی ہیں۔ تھیلی میں کیا ہے؟ ٹیچر۔۔۔! بچے تجسس سے سوال کرتے ہیں۔ آپ کیلئے ہماری جماعت کی لائبریری کیلئے بہترین کتابیں لائی ہوں۔ بچے بہت خوش ہوئے۔ یہ تمام کتابیں ہم لے کر پڑھ سکتے ہیں۔؟ جاوید نے کہا۔ یہ تمام آپ کیلئے ہیں۔ آپ کو جو پسند ہو وہ کتاب لے کر پڑھ سکتے ہیں۔ بچے آخری گھنٹہ (پیریڈ) میں ٹیچر کے ذریعہ لائی گئی کتابوں کو نکال کر پڑھ رہے ہیں۔ اتنے میں چھٹی کی گھنٹی بجی۔ چند بچوں نے کتابیں اٹھا کر الماری میں رکھ دی اور چند وہیں بے ترتیب رکھ کر چلے گئے۔

کمرہ جماعت میں جب ٹیچر داخل ہوئیں تو انہوں نے کتابوں کو بے ترتیب پڑے ہوئے دیکھا اور انہیں اکٹھا کر کے سلیقہ سے الماری میں رکھوایا۔

اسی ہفتہ بچوں کے اجلاس میں ڈرامہ پیش کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ اس کے لئے درکار ڈراموں کی کتاب کو جماعت کی لائبریری میں تلاش کیا گیا لیکن وہ نہیں ملی۔ اس کی اطلاع ٹیچر کو دی گئی۔ ٹیچر نے تمام کتابوں میں دوبارہ تلاش کروایا۔ بڑی تنگ و دو کے بعد ڈراموں کی مطلوبہ کتابیں الماری کے پیچھے پڑی ہوئی ملی۔

واقعہ 4

اس اسکول میں تمام بچے کافی فعال رہتے ہیں چاہے صفائی کا معاملہ ہو، نظم و ضبط کا معاملہ ہو یا پھر کھیل کود کا معاملہ غرض ہر میدان میں وہ پیش پیش رہتے ہیں۔ یہ کس طرح ممکن ہے؟۔ جب ہم نے اسکول کا معائنہ کیا تو پتہ چلا کہ وہاں بچے

اپنے کام آزادانہ طور پر خود کرتے ہیں۔ جب ٹیچر کمرہ جماعت میں ہوتی ہیں تو ہوا اپنے شکوک و شبہات کو پوچھ کر دور کر لیتے ہیں۔ گروپ میں بحث کرنا اور پڑھائی کے بعد اپنی کتابیں سلیقہ سے ان کی جگہ پر رکھنا جیسے امور وہ بڑے فطری طریقہ سے انجام دیتے ہیں۔ کھیلتے وقت بھی کھیل کی اشیاء کو کھیل کے بعد ان کی موزوں جگہ پر رکھتے ہوئے دیکھا گیا۔

جب بچوں سے پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ ہمارے اساتذہ ہمیں کام آزادی سے کرنے کی اجازت دیتے ہیں۔ ہم بھی آزادی کا غلط استعمال نہ کرتے ہوئے اپنا کام بڑی ذمہ داری سے کر لیتے ہیں۔ ان کی ہمت افزائی کا ہی نتیجہ ہے کہ ہم تمام کاموں میں پیش پیش رہتے ہیں۔ اس لئے ہمارا اسکول ہمیں بے حد پسند ہے۔

VI۔ الف: سوچنا رد عمل

- 1۔ مدرسے میں دی جانے والی آزادی کو آپ کیا سمجھتے ہیں؟
- 2۔ مدرجہ بالا واقعات میں آزادی کا صحیح استعمال کس نے کیا؟
- 3۔ انسانی نقطہ نظر سے ٹیچر کے فراہم کردہ موقعوں کا استعمال احمد نے کیسے کیا؟ کیا ایسا کرنا مناسب ہے؟
- 4۔ لائبریری میں موجود کتابیں پڑھنے کا سبھی کو حق ہے۔ ہمیں اس آزادی کا استعمال کس طرح کرنا چاہئے۔ آپ کی ذمہ داری کیا ہے؟
- 5۔ دی گئی آزادی کا استعمال نہ کرنے یا غلط استعمال کرنے سے کیا نتیجہ نکلتا ہے؟
- 6۔ مدرسے میں دی گئی آزادی کے غلط استعمال سے کیا نتائج نکلتے ہیں؟ اس کے صحیح استعمال کے کیا فائدے ہیں؟
- 7۔ کن امور میں آپ مدرسے میں آزادی چاہتے ہیں؟ آپ کا برتاؤ کیسا ہونا چاہئے؟ آپ کی ذمہ داریاں کیا ہیں؟

ب۔ عمل کرنا۔ تجربات کا تبادلہ

- 1۔ اس ہفتے میں اپنے مدرسے میں فراہم کی گئی آزادی کا صحیح استعمال کیجئے۔ اس دوران میں آپ کے تجربات کیا ہوں گے۔ بتلائیے؟
- 2۔ آپ کی جماعت میں فراہم کردہ آزادی کا کس نے غلط استعمال کیا؟ اس سے اس کو اور دوسروں کو کیا نقصان پہنچا؟

3- نظم و ضبط سے کیا مراد ہے؟ نظم و ضبط کی پابندی نہ کریں تو کیا ہوتا ہے؟

..... جائے

کوپن باگس میں ”نیوٹل اسکول New Little School نامی ایک اسکول ہے۔ اس اسکول میں سیکھنے کا عمل طریقہ بڑا عجیب ہے۔ یہاں پڑھنے کیلئے کوئی مخصوص پروگرام نہیں ہے۔ کوئی مخصوص نصاب نہیں ہے۔ کمرہ جماعت بھی نہیں ہے۔ مطالعہ گروپس نہیں ہیں اور نہ ہی امتحانات ہیں۔ نہ کوئی حد اور نہ کوئی پابندی۔ بیرونی دنیا میں عموماً بڑے لوگ آزادانہ زندگی گزارتے ہوئے بچوں کو اسی آزادی سے محروم کرتے رہتے ہیں۔ مگر یہاں بچے بھی بالکل بڑوں کی طرح ان کی ضرورت کے مطابق انہیں جو چاہئے، جتنا چاہئے، جہاں سے ملے وہاں پہنچ کر حاصل کر لیتے ہیں۔ یہاں بچے ایک ہی بات جانتے ہیں کہ جب ان کی مرضی ہو ان کے چہیتے ٹیچر ”راس مس ہانس“ انہیں پڑھائیں گے۔ حالانکہ یہ بڑے تجربہ کار استاد ہیں۔ لیکن ساتھ ساتھ نرم گفتار بھی ہیں۔ بچے انہیں بے حد پسند ہیں۔

اچانک جب بھی کسی بچے کا پڑھنے کو جی چاہتا ہے وہ ایک کتاب ہاتھ میں لئے سیدھے راس مس (ٹیچر کا نام) کے پاس پہنچ جاتا ہے اور کہتا ہے کہ آیا وہ اس کے ساتھ پڑھنا پسند کریں گے۔ راس مس فوری ہاں کہتے ہیں اور اس بچے کو پڑھانے کے آمادہ ہو جاتے ہیں۔ اس طرح شروع ہو جاتا ہے اس اسکول میں پڑھائی کا عمل۔ بچے ٹیچر کے بالکل بغل میں بیٹھ کر پڑھائی کرتا ہے۔ پڑھائی کے دوران راس مس زیادہ مائل نہیں ہوتے۔ دوران پڑھائی وہ شاباشی دیتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اس خیال سے کہ بچہ ڈرنے جائے وہ زیادہ تر غلطیوں کی نشاندہی بھی نہیں کرتے۔ ہال البتہ جب بھی ان سے کچھ پوچھا جائے صرف اتنا ہی بتا کر خاموشی اختیار کر لیتے ہیں۔ یہ معاملہ کوئی 20 منٹ تک چلتا رہتا ہے۔ بچہ پڑھنا روک دیتا ہے اور یہ اطمینان کے ساتھ کسی دوسرے کام میں لگ جاتا ہے۔

متذکرہ بالا کاروائی کے لئے درس و تدریس جیسے الفاظ کا استعمال ذرا مشکل ہے۔ راس مس نے درس و تدریس میں بہترین تربیت حاصل کی۔ لیکن کئی سالوں کے تجربہ کے بعد انہوں نے درس و تدریس کے ایک ایک اصول کو خیر باد کہا۔ انہوں نے محسوس کیا کہ مطلوبہ نتائج کے حصول کیلئے بھرپور جوش کے ساتھ بچوں کی ذرا سی مدد کے لئے چاہے کچھ بھی کریں اس کے اچھے نتائج برآمد ہوں گے۔

یہاں خاص بات یہ ہے کہ جب لٹل اسکول میں پڑھنے والے تقریباً تمام بچے ’جمنیشم ہائی اسکول‘ گئے تو وہاں بھی انہوں نے بہترین کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔ جب کہ اس اسکول میں پڑھائی کافی کٹھن ہوتی ہے۔ اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ وہ چاہے جیسا بھی پڑھتے ہوں اور جتنے عرصہ بھی پڑھتے ہوں وہ بعد میں بھی اچھے طلباء ثابت ہوتے کیوں کہ وہ اپنی مرضی سے آگے آئے تھے۔

آزادی انسان کا حق ہے۔ اگر آزادی کا استعمال اچھے کاموں کے لئے کیا جائے تو ہم نہ صرف اچھی شخصیت کے حامل بنیں گے بلکہ نام بھی کمائیں گے۔ اگر آزادی کا غلط استعمال کریں تو نہ صرف عزت و ناموس ہمارے ہاتھ سے جائیں گے بلکہ ہم آزادی ہی سے محروم ہو جائیں گے۔

2۔ مددہی میں خوشی و مسرت ہے

- I۔ اہم قدر : مطمئن زندگی گزارنا
- II۔ ذیلی قدر : (مدد کرنا) دینے میں ہی خوشی ہے (جذبہ خیر و خیرات)
- III۔ مقاصد مطلوبہ نتائج : 1۔ دینے لینے سے سچی خوشی حاصل ہوتی ہے۔
- 2۔ دوسروں کی ضرورت کی نشاندہی کرتے ہوئے اپنے پاس موجود شے سے مدد کرنا سیکھتے ہیں۔
- IV۔ تمہید : انسان ایک سماجی حیوان ہے۔ مل جل کر باہم زندگی گزارنا ہی اس کا مقصد ہے۔
- دنیا میں لینا اور آپسی اشتراک ہی باہمی زندگی ہے۔ یہ جذبہ آج کے سماج میں دکھائی نہیں دیتا۔ اس وجہ سے انسانوں کے دلوں کے درمیان فاصلہ بڑھ چکے ہیں۔ محبت و خلوص روز بہ روز گھٹتے جا رہے ہیں۔ آپسی لین دین سے ملنے والی تشفی انسانی رشتوں کو فروغ دیتی ہے اور انسان کو اعلیٰ بناتی ہے۔ اور یہی بعد میں انسانی بقاء کیلئے راہ ہموار کرتے ہیں۔ آگے دیئے گئے واقعات سے ہم یہ سیکھیں گے کہ دینے (مدد کرنے) سے ہی خوشی حاصل ہوتی ہے۔

حیدرآباد میں واقع این۔ ایم۔ ایس کیا نسر ہسپتال NMS Cancer Hospital کے احاطہ میں کنا کا درگا نامی مندر ہے۔ اس مندر کے پجاری سری نواسا شاستری ہیں۔ ان کی بیوی کا نام لیلا ہے۔ ان میاں بیوی میں سے کوئی ایک روز آنہ کرسی اور ٹیبل پر بیٹھے، قطار میں کھڑے، مریضوں کی تیمارداروں کے نام ایک رجسٹر میں درج کر کے ان میں سے ہر ایک کو پاؤ کیلو چاول کی ایک پاکٹ تمھادیتے ہیں۔ ایک قدم آگے بڑھیں تو وہاں ایک اور شخص کھڑا ہوا ہے۔ جوان تیمارداروں میں سے ہر ایک کو تین چمچ گاڑھے دہی کا پیکٹ اور ایک لیٹر دودھ کا پیکٹ دیتا ہے۔

ذات پات و علاقائی بھید بھاؤ سے پاک مختلف زبانوں ثقافتوں کا مرکز دکھائی دینے والی وہ جگہ آہستہ آہستہ ایک بڑے جوش و خروش جذبہ کی حامل بنی۔ کوئی دودھ ابا لنے کے لئے اپنی جگہ سے اٹھتا ہے تو کوئی دھوئے ہوئے چاول ابا لنے کے لئے۔ وہ نظم و ضبط کے ساتھ قطار میں چلتے ہوئے وہیں بنے ہوئے ایک کمرے میں داخل ہوتے ہیں۔

اس کمرے میں جملہ آٹھ سو اسٹو Stove جل رہے ہیں جن میں تیرہ 13 برنرز Burners لگے ہوئے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک، ایک ایک اسٹوکا استعمال کرنے لگتا ہے۔ اس کام میں ایک عورت ان کی مدد کرتی ہے۔ یہ شام کا منظر ہے۔

تو پھر صبح.....؟

صبح کے وقت مزید کئی چیزیں دی جاتی ہیں۔ پاؤ کیلو چاول، روز آنہ ایک قسم کی ترکاری، ہری مرچ۔ اس کے علاوہ نمک، لال مرچ، تیل وانڈا بھی دیا جاتا ہے۔ ان سے وہ غریب کینسر کے مریض اور ان کے رشتہ دار گھر کے کھانے کی طرح سکون محسوس کرتے ہیں۔

سات سال سے جاری ان خدمات کا سہرا اگر ہم دوا خانے کے انتظامیہ کے سر باندھتے ہیں تو یہ سراسر غلط ہوگا۔ یہ سب دراصل ایک شخص کی دین ہے۔ جن کا نام ”انوملا پوراؤ“ ہے۔

انوملا پوراؤ ہسپتال کے بازو ”نیلو فر کیفے“ نامی ایرانی ہوٹل کے مالک ہیں۔ ذائقہ دار چائے اور لذیذ بیکری آئٹمز کے لئے ان کی یہ ہوٹل کافی مشہور ہے۔ باپوراؤ نہ صرف کھانے پینے کا انتظام کرتے ہیں بلکہ اور بھی بہت سی خدمات بہم پہنچاتے ہیں۔ غریب طلباء کو کتابیں فراہم کرنا، غریبوں کی ضرورت کے مطابق مدد مہیا کرنا وغیرہ۔ اس طرح اپنی آمدنی کا

ایک حصہ غریبوں کے لئے وقف کر کے وہ سکون و خوشی محسوس کرتے ہیں۔

واقعہ-2

کسی زمانے میں ایک گاؤں میں بھیا تک قسم کا قحط پڑا تھا۔ یہ بڑی مصیبت کا وقت تھا۔ گاؤں میں ہر طرف ہابا کار وفاقہ کشی، کسی بھی گھر میں چولہا نہیں جل رہا تھا۔ مقدس مقامات کی زیارت پر نکلے ایک بزرگ کا اس گاؤں سے گذر ہوا۔ لوگوں کی حالت ان سے نہ دیکھی گئی۔ انہوں نے سوچا کہ گاؤں والوں کو کوئی راستہ دکھانا چاہئے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے شاگرد کو حکم دیا کہ وہ جنگل سے سوکھی لکڑیاں اکٹھا کر کے لائیں۔ جب لکڑیاں لائی گئیں تو پتھروں سے بنا چولہا جلا لیا۔ گاؤں والوں سے انہوں نے ایک بڑا سا برتن لانے کے لئے کہا۔ خود انہوں نے ایک ٹوکری میں چھوٹے چھوٹے پتھر و کنکر جمع کئے۔ لوگوں میں تجسس بڑھنے لگا کہ آخر بزرگ کیا کرتے جارہے ہیں۔ تھوڑی ہی دیر میں وہاں کافی لوگوں کی بھیڑ جمع ہو گئی۔ بزرگ نے کہا کہ میں تمہیں سکھاؤں گا کہ کنکروں سے کیسے کھانا پکایا جاتا ہے۔ اب کسی کو بھی فاتے کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ لیکن اس کام میں مجھے آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔

لوگوں نے کہا کہ آپ ہمیں بھوک سے بچنے کا حل بتائیے۔ آپ جو کہیں کہ ہم وہ کرنے کے لئے تیار ہیں۔ بزرگ نے کہا کہ اگر ایسا ہے تو ان کی ایک شرط ہے۔ آپ میں سے ہر ایک میرے لئے کھانا بنانے میں استعمال ہونے والی چیزوں میں سے کوئی ایک چیز لے آئیں گے۔ سب نے اپنی رضامندی ظاہر کی۔

ایک نے کہا کہ میرے گھر میں نمک ہے۔ میں ابھی لایا۔ چاول اور ترکاریاں تو بہت پہلے ختم ہو چکی ہیں۔ سوچا ان کے بغیر نمک کی کیا ضرورت ہے۔ اس لئے میں نے نمک اٹھا رکھا ہے۔

ایک بوڑھے نے کہا کہ اس کی کھاریوں میں ہری مرچ ہے۔ بھوک کی تاب نہ لا کر ایک دن میں نے بہت سی مرچیں کھالی تھیں۔ پیٹ میں جلن سے میرا برا حال ہو گیا تھا۔ تب سے اب تک میں نے ہری مرچ کو ہاتھ نہیں لگایا۔ میں ابھی لے آیا۔ اسی طرح باقی لوگ بھی آگے آتے گئے۔ کسی نے کہا کہ اس کے پاس چار بیگن ہیں۔ کسی نے کہا کہ اس کے پاس چار بھینڈی ہیں۔ کسی نے اٹلی کی پیش کش کی۔ غرض ہر کوئی رضا کارانہ طور پر کچھ نہ کچھ لے آیا۔ آدھے گھنٹے میں پکوان مکمل ہوا۔ اس کام میں چند لوگوں نے اپنی خدمات ہی دینے پر اکتفا کیا۔ چار لوگوں نے برتن لگائے۔ مزید چار لوگ کھانا پر سنے کے لئے آگے آئے۔ تمام لوگوں نے شکم سیر ہو کر کھانا کھایا۔

دوسرے دن جب بزرگ جانے کے لئے نکل رہے تھے تو گاؤں کے تمام لوگ ان کے آگے بیٹھ گئے اور کہا کئی دنوں

بعد ہم نے بھر پیٹ کھانا کھایا۔ کنکر، پتھر سے، کھانا بنانے کا طریقہ ہمیں بھی بتا دیجئے۔

بزرگ نے کہا ”ایک نمک سے پکوان نہیں ہوتا، محض مرچ سے ذائقہ نہیں آتا، جب یہی دو چیزیں آپس میں ملتی ہیں تو انیا ذائقہ پیدا ہوتا ہے۔ اپنے پاس موجود چیزوں کو بانٹ لینے کی وجہ سے تم سب آج بھر پیٹ کھا سکے ہو۔ تقسیم سے بھلے ہی چاروالہ کم ہو جائیں گے لیکن مل بانٹ کر کھانے کا جو سکون ہے اس سے ہمارا آدھا پیٹ ویسے ہی بھر جاتا ہے۔

”تو حضرت! کیا آپ نے کنکروں سے کھانا نہیں بنایا؟۔ ایک آدمی نے معصومانہ انداز میں سوال کیا۔

نہیں! حقیقت یہ ہے کہ میں نے ان کنکروں کو برتن میں الا ہی نہیں۔ کنکر اس تھیلی میں ہی ہیں۔ بزرگ نے جواب دیا۔ یہ کنکر خود غرضی کے عکاس ہیں۔ تم نے خود غرضی پر فتح پائی۔ اب ان کی کوئی ضرورت نہیں۔ اور یہ کہتے ہوئے انہوں نے اس تھیلی کو قریب پہاڑوں کی طرف پھینک دیا۔

واقعہ-3

ایک مدرسہ میں ریشمانام کی ایک لڑکی تھی۔ وہ کسی کی بھی مدد نہیں کرتی تھی اور نہ ہی وہ کسی سے ملتی جلتی تھی۔ کلاس ٹیچر نے کئی مرتبہ اسے سمجھایا لیکن اس لڑکی کے برتاؤ میں کوئی بدلاؤ نہیں آیا۔

ایک مرتبہ اسکول کی طرف سے تعلیمی تفریح کا اہتمام کیا گیا۔ ریشماء بھی اس تفریح میں شامل تھی۔ وہ ایک جگہ گم ہو گئی۔ چونکہ اس کا بیگ بس ہی میں رہ گیا تھا۔ اس کے پاس پیسے بھی نہیں تھے۔ اسے سوچ نہیں رہا تھا کہ کیا کرے۔ وہ وہیں روتی ہوئی بیٹھ گئی۔ اس گاؤں کے مدرسے کے طلباء وہاں پہنچ گئے۔ ریشماء کا مسئلہ ان کی سمجھ میں آ گیا۔ ان بچوں نے اپنے اپنے باکس سے ریشما کو کھانا کھلایا اور پیسے بھی جمع کر کے اسے دیے۔ یہی نہیں بلکہ انہوں نے اپنے اساتذہ کی مدد سے ریشماء کو اس کے گھر پہنچایا۔ ریشماء پر اس واقعہ کا بہت گہرا اثر ہوا۔ وہ یہ سوچ کر شرمندگی محسوس کرنے لگی کہ وہ اتنے عرصہ تک کسی کی مدد کئے بغیر اور کسی سے ملے بغیر کس طرح رہی ہوگی؟ اگر وہ بچے آج اس کی مدد نہ کرتے تو پتہ نہیں کیا ہو جاتا۔ بالآخر اس نے محسوس کیا کہ دوسروں کی مدد کرنے سے بڑی خوشی حاصل ہوتی ہے۔

واقعہ-4

فرض کیجئے کہ ہم ریل سے سفر کر رہے ہیں۔ ہمارے پاس ایک درجن موز ہیں۔ ہم وہ موز کھانے کے لئے باہر نکالتے ہیں۔ اگر ہم آگے کی نشست پر بیٹھے ہوئے مسافر کو موز پیش کریں تو ضروری نہیں کہ وہ آپ کی پیش کش کو قبول کرے۔ وہ شکر یہ کے ساتھ واپس بھی کر سکتا ہے۔ پھر آپ وہ تمام کے تمام موز اطمینان سے کھا سکتے ہیں۔ مگر آپ پیش کش

کئے بغیر وہ موز کھالیں تو ایک غلطی کا احساس ہمیں ستاتا رہے گا۔ اگر ہماری تربیت ہی ایسی ہو کہ آگے والوں سے ہمیں کوئی لینا دینا نہیں۔ ہم خود اپنا ہی کیوں نہ سوچیں، تو اس صورت میں آگے والوں کو ہم نہ بھی دیں تو ہمیں کوئی احساس نہیں ہوگا۔ راستہ چلتے ہوئے شخص کو آپ پتہ بتاتے ہیں۔ ایسا نہ بھی کریں تو قانوناً جرم نہیں ہے۔ آپ کا قانونی طور پر کوئی بھی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ قانون کو آپ پر پابندی کا کوئی حق نہیں ہے۔ پھر آپ نے اس شخص کو پتہ کیوں بتایا؟ اگر ہمیں آگے والوں کی مدد کرنے کی اپنے خاندان والوں سے، پڑوسیوں سے اور کسی دوسرے زرائع سے تعلیم ملے تو ہم اپنے جذبات کو کنٹرول کر پاتے ہیں اور یہی اس برتاؤ کی وجہ بھی ہے۔

VI الف :- سوچنا۔ رد عمل کا اظہار کرنا

- 1- آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ باہوراؤ اپنی آمدنی کا کچھ حصہ دوسروں کو یا غریبوں کو دیکر تشفی و خوشی محسوس کرتا ہے؟
 - 2- گاؤں والوں کو کھانا پکا کر کھلاتے ہوئے بزرگ نے ہمیں کیا سبق دیا؟
 - 3- کیا کبھی آپ نے کسی کو کچھ دیا ہے؟ اگر دیا ہو تو اس وقت آپ نے کیا محسوس کیا؟
 - 4- کیا کبھی کسی نے آپ کو کچھ دیا ہے؟ اس وقت آپ نے کیا محسوس کیا؟
 - 5- آپ کے علاقے میں دوسروں کی مدد کرنے والے کون ہیں؟ جب انہیں آپ دیکھتے ہوں تو کیا محسوس کرتے ہیں؟
 - 6- مدد صرف انسانوں ہی کی نہیں بلکہ جانوروں و نباتات کی بھی کی جاتی ہے؟
- ☆ بتائیے آپ پرندوں کی کیا مدد کرتے ہیں؟
- ☆ آپ نباتات کی کس طرح مدد کرتے ہیں؟

(ب) عمل کرنا۔ تجربات بیان کرنا

☆ ایک ہفتہ تک لگاتار دوسروں کی مدد کیجئے۔ وہ مدد چاہے اشیاء دیکر ہو، کتابیں دیکر ہو یا پھر کوئی خدمت کرتے ہوئے۔ کسی کو آپ نے کیا دیا۔ ایک فہرست بنائیے۔ بتائیے ایسا کرتے وقت آپ نے کیا محسوس کیا؟

بانٹنے کی خوشی ہے

عادل آباد میں واقع سینٹ جوزف کانویٹ اسکول کے اساتذہ نے بچوں کی پڑھائی کو پس پشت ڈال کر مدرسے کے احاطہ میں پکوان شروع کیا۔ ان کی تقلید کرتے ہوئے بچوں نے بھی اپنی پسند کے پکوان کا ذائقہ بتانے کی غرض سے اپنے ہاتھوں میں چھچ لے لئے۔ اس کے نتیجے میں کئی قسم کی مٹھائیاں اور اسناکس تیار ہوئے۔ اس کے ساتھ ساتھ طلباء نے اپنی اپنی پسند کی اشیاء و کتابیں اکٹھا کیں اور مدرسے کے احاطہ ہی میں فروخت کیلئے رکھ دیا۔ اگر کوششیں اچھی ہو تو نتیجہ بھی اچھا برآمد ہوتا ہے۔ فروخت کیلئے رکھی گئیں وہ تمام کتابیں بک گئیں اور ستر ہزار روپے جمع ہوئے اور یہ پوری رقم گردے کے مرض میں مبتلا بستر پر پڑے ایک نوجوان مریض کے علاج پر خرچ کئے گئے۔ سینٹ جوزف اسکول نے اپنے طلباء کو شریک کرتے ہوئے اب تک ایسے کئی نیک کام کئے ہیں اور یہ ثابت کر دیا کہ تعلیم محض نشانات کا حصول نہیں بلکہ انسانیت بھی ہے۔

آغاز کچھ اس طرح ہوا

1992ء میں اساتذہ کی ہمت افزائی و رہنمائی میں طلباء نے یگ اسٹوڈینٹ یونین Young Student Union بنائی اور چھ سال تک انہوں نے پرانے کپڑے جمع کئے اور غریبوں میں تقسیم کئے۔ جب 2002 میں عادل آباد میں بھیاک سیلاب آیا تو رامائی اور کچ کنٹی گاؤں والوں نے اپنا سب کچھ کھو دیا اور بے گھر و بے سہارا ہو گئے۔ ان حالات میں طلباء نے چندہ جمع کر کے 50,000 اکٹھا کئے۔ اس رقم میں انتظامیہ نے اپنی طرف سے 50,000 کی خطیر رقم ملائی اور وسودہ فاؤنڈیشن نامی ایک مقامی ادارے کی مدد سے ہر ایک شخص کو ایک جوڑ کپڑے، پانچ کیلو چاول، تین کلو دالیں، ایک لیٹر تیل مہیا کئے گئے۔ اس کے بعد اپنی سرگرمیوں کو مزید وسعت دینے کے غرض سے مدرسہ انتظامیہ نے ہر سال آنند میلہ کے انعقاد کا فیصلہ کیا۔

خدمت خلق کے پروگرامس میں حصہ لینے کی طرف راغب کرنے کی غرض سے منعقد کئے جانے والے ان تمام میلوں میں اساتذہ بھی مختلف قسم کے پکوان بناتے ہیں۔ ان پکوانوں پر ہونے والا خرچ بھی وہی برداشت کرتے ہیں۔ اس میلے میں اولیاء طلباء ہی نہیں بلکہ تمام لوگ مدعو ہوتے ہیں۔

اس کارخیر میں حصہ لینے کیلئے ان میں سے ہر کوئی، کچھ نہ کچھ خرید لیتا ہے۔ اس طرح جمع کی گئی رقم سے اب تک سینٹ جوزف نے کئی نیک کام انجام دیئے۔ 2004 میں آنے والے سیلاب سنami سے کئی افراد کی

زندگیاں تباہ ہو گئیں۔ اُس سال منعقد ہوئے آنند میلے میں ہونے والی آمدنی -/51,000 روپے مدرسہ انتظامیہ نے ڈی آر ڈی اے نامی سرکاری ادارے کی مدد سے سنامی کے متاثرین تک پہنچائے۔ جھونپڑی میں زندگی بسر کرنے والے معین اور اس کے خاندان کی مصیبتوں کا جب انتظامہ کو علم ہوا تو شیڈ بنانے کیلئے اسے 25000 دیئے گئے۔ اس کے بعد دوسرے سال گھر بنا لینے کیلئے 45000 روپیوں سے وٹھل نامی شخص کی مدد کی گئی۔ یہی نہیں خطرناک بیماریوں میں مبتلا ہونے والے مریضوں کی بھی اس آنند میلے کی آمدنی سے مدد کی گئی۔ شہر مند مڑی کے رہنے والے نوجوان جو گردے کے مرض میں مبتلا تھا، کی آپریشن کے لئے درکار -/50,000 روپیوں سے مدد کی گئی۔ وہ غریب پیسے نہ ہونے کے باعث بڑی تکلیف برداشت کر رہا تھا۔ عادل آباد ہی کے متوطن سچن نامی نوجوان نے ایم۔ ایس۔ سی کی تکمیل کی۔ مستقبل میں بہت کچھ کرنے کا جذبہ رکھنے والا یہ نوجوان ڈس پلاسٹک، سنڈروم نامی مرض میں مبتلا ہو گیا۔ جب انتظامیہ کو پتہ چلا کہ پیسے نہ ہونے کے سبب یہ نوجوان ایک عذاب سے گزر رہا ہے تو انہوں نے علاج کیلئے اسے -/35,000 روپے دیئے۔ اس سال سینٹ جوزف اسکول نے آنند میلہ کے انعقاد سے -/75,000 کی رقم جمع کی۔ ہاتھ میں ہاتھ ملاتے ہوئے بچوں کی جمع کی ہوئی یہ رقم سیدا پو کے متوطن انیل ولانہ نامی نوجوان کے علاج و معالجہ کے لئے خرچ کئے جائیں گے جس کے دونوں گردے خراب ہو گئے ہیں اور جو آپریشن کے لئے دوسروں کی مدد کا منتظر ہے۔ اس طرح پڑھائی کے ساتھ ساتھ اوروں کی مدد کا جذبہ اپنے اندر پیدا کرنے والے اس مدرسہ کے طلباء ذاتی طور پر کسی نہ کسی کی، کسی نہ کسی صورت میں مدد کر رہے ہیں۔ اس مدرسہ میں تعلیم حاصل کرنے والے طلباء شششاک اور سری ندھی اپنی سالگرہ غریبوں کے درمیان مناتے ہیں اور اپنے کڈی بینک میں جمع کی ہوئی رقم ان غریبوں کی مدد کے لئے خرچ کرتے ہیں۔

بچوں کو فرشتے بھی کہا جاتا ہے اور خاص طور پر یہ جب کسی کی مدد کے لئے آگے آتے ہیں تو یہ ہمارے لئے حقیقی فرشتے بن جاتے ہیں۔ ان بچوں کی اس طرح ہمت افزائی کرنے والے اساتذہ کے ہم ممنون ہیں۔ یہ الفاظ ان لوگوں کے ہیں جن کی اس ادارے اور یہاں کے بچوں نے مدد کی۔ لیکن وہاں پڑھنے والے بچوں کا کہنا ہے کہ انہیں مدد دینے میں جو لطف ملتا ہے وہ کسی اور کام میں نہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ آپ کا کیا خیال ہے؟

ایسا سوچئے۔۔۔ اور عمل کیجئے

☆ مدد کرنے سے ہی میں بڑا آدمی بنوں گا۔

☆ سچ پر عمل کروں گا۔ ایمان پر چلوں گا۔

☆ ہمدردی و مہربانی سے ہر ایک سے محبت کروں گا۔

☆ مشکل میں پھنسے لوگوں کی ممکنہ مدد کروں گا۔

☆ مستقبل میں دینے کے عمل کو پڑھاؤں گا، لینے کے عمل کو گھٹاؤں گا

اور جذبہ انسانیت کو اپنے اندر فروغ دوں گا۔

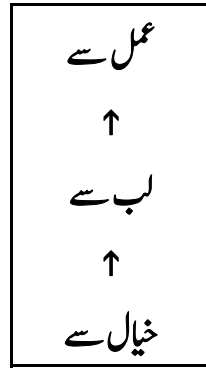
☆ ہر کام دلچسپی سے کروں گے۔

☆ میں اقدار پر عمل کرتے ہوئے ان کی تشہیر کروں گا۔

نشاندہی کیجئے کہ کس سے آپ نے کیا پایا۔ انہیں آپ نے کیا دیا

A-B	میں نے دیا۔ B	میں نے پایا۔ A	
			ماں باپ
			اساتذہ
			اسکول
			گاؤں سماج رویش
			فطرت

دینے کے عمل کے تین (3) مراحل ہیں۔ اسی کو سہ درجائی اخلاص کہتے ہیں۔



مذکورہ تین مرحلوں کے ایک ہونے کو دینے کا عمل کہتے ہیں۔ یعنی جو سوچو وہ بولو۔ جو بولو وہی کرو۔

مثال:

معلم 30 سکنڈ خاموش رہے۔ پھر بچوں سے پوچھا کہ میں نے کچھ سوچا ہے، کیا تمہیں پتہ ہے کہ میں نے کیا سوچا؟ بچوں کا جواب نفی میں ہوگا۔ تب معلم انہیں بتائے کہ اس نے انہیں (بچوں کو) چاکلیٹ دینے کے تعلق سے سوچا ہے۔ وہ کہہ گا کہ چاکلیٹ کے تعلق سے سننے کے بعد میں آپ تمام کے چہروں پر مسکراہٹ دیکھ رہا ہوں۔ اگر میں سچ مچ چاکلیٹ دوں تو تمہیں حقیقی خوشی ہوگی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ہمارے سوچنے سے زیادہ ہمارے بولنے سے لوگوں کو خوشی ہوتی ہے اور اس سے بھی کہیں زیادہ خوشی اس وقت انہیں ہوتی ہے جب ہم اپنے قول پر عمل کریں۔ یعنی عمل سے اظہار اعلیٰ درجہ کا فعل

ہے۔ اور یہی قائدانہ وصف بھی ہے۔

اوصاف تین قسم کے ہوتے ہیں۔

اوصاف کے نتائج	اوصاف
اس میں صاحب وصف صرف دینے کے عمل میں یقین رکھتا ہے۔ تیرا تو تیرا ہے مگر میرا بھی تیرا Thine is Thine, Mine is also thine	خدا ترسی
یہاں ہاتھ لے دے ہوتا ہے۔ تیرا تو تیرا ہے اور میرا جو ہے وہ میرا ہے۔ Thine is thine and Mine is Mine	انسانیت
یہاں صرف مدد لی جاتی ہے۔ Mine is mine, Thine is aslo mine	شیطانیت

لائحہ عمل:

ہمیں چاہئے کہ ہم شیطانیت سے اوپر اٹھ کر انسانیت تک پہنچیں۔ اور پھر بتدریج ہم انسانیت سے خدا ترسی تک پہنچیں۔ ہمیں جان لینا چاہئے کہ ہم دینے میں آزاد مگر لینے میں نہیں۔ اور یہ کہ دینے کے عمل میں بڑائی ہے نہ کہ لینے کے عمل میں۔ لہذا دینے کے عمل پر عمل پیرا ہو کر ہی ہم عظیم بن سکتے ہیں۔

اقوال زرین:

دینے کے عمل میں بڑائی ہے۔ دینے کے عمل کی ہمیں آزادی حاصل ہے۔
دینے کے عمل سے ہمارے اندر کی شرافت و نیکی ظاہر ہوتی ہے۔
اس میں نفع و نقصان کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

3- سادگی

- I- اہم قدر : کردار سازی
 II- ذیلی قدر : سادگی کی اہمیت کو جاننا
 III- مقاصد و متوقع نتائج:
 ● سادگی کی اہمیت کو جاننا
 ● سادگی پسند زندگی ہمیں اونچے مقام تک پہنچاتی ہے۔ جاننا
 IV تمہید:-

سادگی انسان کا انمول زیور ہے۔ سجاوٹ و تام جھام انسانی ترقی میں کسی بھی طرح معاون نہیں ہوتے۔ کھانے سے بھری تھالی جمی رہتی ہے لیکن خالی تھیلی اچھلتی ہے۔ کئی اوصاف کے حامل افراد سادگی پسند ہوتے ہیں۔ وہ سماج میں اونچا مقام تک پہنچتے ہیں۔

تام جھام، گھمنڈ و تکبر یہ تین بری خصالتیں ہیں۔ یہ انسان کو تباہی کی طرف لے جاتی ہیں۔ اس لئے تام جھام کی ہماری زندگی میں کوئی گنجائش نہیں ہونی چاہئے۔ تکبر کو ہمیں اپنے اندر داخل نہیں ہونے دینا چاہئے۔ گھمنڈ کو ہمارے قریب نہیں آنا چاہئے۔ ہر کسی کو سادگی پسندی کی عادت ڈال لینی چاہئے۔ سادگی پسند زندگی ہمیں سماج میں اونچا مقام دلاتی ہے۔ ہمیں اونچی، عمدہ و مثالی سوچ کا حامل ہونا چاہئے۔ بہت ہی عام سیدھی سادی زندگی کی ہمیں عادت ڈالنی چاہئے۔ اب آپ ان واقعات کو ملاحظہ کیجئے جو سادگی پسندی کی اہمیت کو ظاہر کرتے ہیں۔

V- موضوع

واقعہ-1:

ہمارے سابق وزیر اعظم آنجنابی لال بہادر شاستری جی جب پارلیمنٹ ہاؤز سے واپس ہوئے تو اپنے گھر کے باغچے

میں اگائی جانے والی ترکاریوں کی دیکھ بھال کیا کرتے تھے۔ خود اپنے ہاتھوں سے گڑھے کھودا کرتے۔ پودوں کو پانی دیتے۔ جب نوکرا نہیں کام کرنے سے روکنے کی کوششیں کرتے تو وہ کہتے کہ دوسروں کو نصیحت کرنے والوں کو پہلے خود عمل کرنا چاہئے۔ جب ہم محنت کریں گے تو وہی دوسروں کو بھی سخت محنت کرنے کی ترغیب ملے گی۔ لال بہادر شاستری کراہیہ کے مکان میں رہا کرتے تھے۔ مرکزی وزیر بننے کے بعد بھی ان کا اپنا ذاتی مکان نہیں تھا۔ اس لئے انہیں بے گھر وزیر داخلہ (A Homeless Home Minister) کہا جاتا تھا۔

جنہیں ہم مہاتما گاندھی کہتے ہیں وہ سیدھی سادھی زندگی گزارتے تھے۔ ایک دھوتی اور دیگر شال پر ہی وہ گزار کرتے تھے۔ آشرم میں بکریوں کی پرورش کر کے سوت کاتتے ہوئے انہوں نے زندگی گذاری۔ صرف بکری کا دودھ اور چپاتی پر اکتفا کرتے تھے۔ ہندوستانی عوام کی تکالیف کو اپنی تکلیف سمجھتے ہوئے ان کی بھلائی کے لگا تار محنت کرتے تھے۔

واقعہ-2

سادگی پسند زندگی گزارنے کے معاملہ میں اپنے وقت کے شہنشاہ خلیفہ دوم حضرت عمر فاروقؓ کا تو شاید ہی کوئی ثانی ملے۔ ان کے جسم پر جو قمیض ہوتی تھی اس پر ستر پیوند ہوا کرتے تھے۔ نیچے چٹائی پر سونا اور عیش و عشرت کی چیزوں سے پرہیز کرنا ان کی زندگی کا وطیرہ تھا۔ جب سفر پر جاتے تو سواری پر اپنے غلام کو بھی برابر کا موقع دیتے۔ یعنی کچھ دور خود سواری کرتے اور کچھ دور اپنے غلام کو سوار کرتے۔

VI: الف سوچنا۔ رد عمل کا اظہار کرنا

- 1- اوپر بتائے گئے واقعات جو آپ نے پڑھے۔ ان کی روشنی میں بتائیے کہ سادگی سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟
- 2- مرکزی وزیر ہونے کے باوجود لال بہادر شاستری کی زندگی گزارنے والے کیا آج بھی موجود ہیں؟ اگر نہیں ہیں تو اس کی وجہ کیا ہے؟
- 3- اپنے اطراف و اکناف تام جھام سے پرہیز کرنے والوں کے تعلق سے بتائیے؟
- 4- سادگی اور بخالت میں کیا فرق ہے؟
- 5- سادگی کے فوائد کیا ہیں؟ عیش و عشرت کے عادی ہونے کے کیا نقصانات ہیں؟
- 6- سادگی کے ساتھ زندگی گزارنے کیلئے آپ کیا کریں گے؟
- 7- ضرورت سے زیادہ اشیاء رکھنا کیا مناسب ہے؟ بحث کیجئے؟

(ب) عمل کیجئے۔ تجربات بیان کیجئے۔

آپ کے گاؤں یا محلہ میں کن کن کے پاس ضرورت سے زیادہ اشیاء ہیں؟ مشاہدہ کیجئے؟
اس طرح ضرورت سے زائد اشیاء اپنے پاس رکھنے کے فوائد و نقصانات بیان کیجئے؟

سادگی کی علامات

- ☆ تکبر و گھمنڈ سے پرہیز کرتے ہوئے عجز و انکساری سے رہنا۔
- ☆ بڑائی نہ کرنا۔ اپنے آپ کو بڑا سمجھنا۔
- ☆ قیمتی کپڑوں، زیور وغیرہ کی نمائش سے پرہیز کرنا۔
- ☆ اپنا کام خود کرنا۔ محنتی افراد کی مدد کرنا
- ☆ مثالی زندگی بسر کرنا
- ☆ مادہ پرستی و ضرورت سے زیادہ اشیاء، کپڑے،
- ☆ چیل، زیور کو اپنے گھر میں جمع کرنے سے پرہیز کرنا۔
- ☆ دوسروں کی مدد کرنا، مل جل کر کام کرنا اور مل جل کر رہنا۔

.....جانیے.....

سادگی پسند زندگی ہی حقیقی زندگی ہے۔ عیش و تیش سے پر زندگی کے مقابل سادہ زندگی سے ہمیں زیادہ خوشی ہوتی ہے۔ آپس میں اپنائیت سے رہنا اسی وقت ممکن ہے جب ہم سیدھی سادھی زندگی بسر کریں۔ لوگوں کی زندگیوں میں نظر آنے والی سادگی کا مطالعہ کیجئے۔

سنسکرت کے ایک استاد ایک روز گاندھی جی سے ملاقات کے لئے ان کے سا برمتی آشرم گئے۔ وہاں انہوں نے ایک شخص کو کنویں سے پانی نکالتے دیکھا۔ استاد نے پڑھ کر اس شخص سے کہا کہ وہ گاندھی جی سے ملنا چاہتے ہیں۔ وہ کہاں ملیں گے۔ اس شخص نے استاد سے پوچھا کہ وہ اپنی بات گاندھی جی کو بتائیں گے۔ تب اس شخص نے استاد کو اپنے ساتھ کنویں تک آنے کے لئے کہا۔ جب استاد کنویں پر پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہی شخص کنویں پر بیٹھے برتن دھو رہا ہے۔ استاد نے خنگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ وہ کیوں ان کا وقت برباد کر رہا ہے۔ آخر گاندھی جی ہے کہاں؟ اس شخص نے برتن دھوتے ہوئے بڑی سادگی سے کہا کہ وہ خود گاندھی ہیں۔ حیرت سے استاد کا منہ کھلا رہ گیا۔ انہوں نے کبھی سوچا ہی نہیں تھا کہ گاندھی جی جیسی ہستی کنویں سے پانی بھی نکالیں گے یا پھر پودوں کو پانی دیں گے۔ استاد کی سمجھ میں آیا کہ بڑے لوگ چھوٹے چھوٹے کام بھی بڑی اہتمام سے کرتے ہیں۔

ایک اور واقعہ پڑھیے:-

لکھنؤ یونیورسٹی کے شعبہ نباتات کے صدر ڈاکٹر بیرل سہانی سے ملنے کے لئے ایک ولایتی سائنسدان آئے۔ کمرے میں بیرل سہانی ایک ٹیبل کے سامنے بیٹھے ہوئے ہیں۔ ٹیبل پر کتابیں رکھی ہوئی ہیں۔ سہانی خوردبین میں کسی چیز کا مشاہدہ کر رہے تھے۔ سائنسدان نے حیرت زدہ ہو کر سہانی سے پوچھا۔ پروفیسر کیا تمہارا اپنا کمرہ نہیں ہے؟ سہانی نے کہا کہ بڑے کام کرنے کے لئے تام جھام کی ضرورت نہیں۔

یہی نہیں۔ ہمارے سابق صدر جمہوریہ، مشہور ہندوستانی سائنسدان ڈاکٹر اے۔ پی۔ جے عبد الکلام سے ملاقات کے لیے ایک شخص اس وقت پہنچے، جب وہ ایک چھوٹے سے کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ کمرے میں ایک ٹیبل، کرسی، ٹیبل پر چند کتابیں، ایک ٹیبل لائٹ، ایک چٹائی اور اس کے بازو چند کپڑے پڑے ہوئے تھے۔ انہیں دیکھ کر وہ ملاقاتی حیرت زدہ رہ گئے۔

ایک اور واقعہ سنئے:

آئسٹائن بیسویں صدی کا عالمی شہرت یافتہ سائنسدان تھا۔ ایک دفعہ بیلجیم کی مہارانی آئسٹائن کا انتظار کر رہی تھیں۔ آئسٹائن نہایت ہی سادگی پسند انسان تھے۔ ایک بڑی ہستی، ایک بڑے سائنسدان کی حیثیت سے شناخت کرنے کے لئے ان کے پاس ایسی کوئی خاص بات نہیں تھی۔ چنانچہ آئسٹائن جب ریل سے اترے اسٹیشن میں انہیں کسی نے نہیں پہچانا۔ اب آئسٹائن کی فطرت نہیں تھی کہ وہ اپنا تعریف خود کراتے۔ اعلیٰ سطحی عہدیداروں کا ایک وفد انتظار کر کے واپس ہو گیا۔ اس دوران آئسٹائن اپنا بیباک اٹھائے سیدھے راج محل پہنچے۔ رانی انہیں دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئیں۔ استقبالیہ کمیٹی کے اراکین نے آگے بڑھ کر معافی مانگی۔ چونکہ آئسٹائن ایک بڑے سائنسدان تھے، تو سب ہی کا یہ خیال تھا کہ وہ قیمتی کپڑوں میں ملبوس ہوں گے۔ ان کے پاس قیمتی سامان ہوگا۔ کسی کے گمان میں نہ تھا کہ وہ اس طرح معمولی کپڑوں میں ہاتھ میں بیگ لے آئیں گے۔

امریکی سابق صدر جارج واشنگٹن ایک مرتبہ تفریح کے لئے نکلے۔ ایک مقام میں انہوں نے دیکھا کہ چند مزدور لکڑی کی ایک ناٹ گھر کے اوپر پہنچانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ لیکن وہ ناکام ہو رہے ہیں۔ اس ناٹ کو اوپر پہنچانے کے لئے ایک اور آدمی درکار تھا۔ کام کروانے والا میسٹری یہ تمام منظر دیکھ رہا تھا۔ لیکن مدد کے لئے آگے نہیں آ رہا تھا۔ واشنگٹن بھیس بدلے ہوئے تھے اور تہمت تھے، ان کے ساتھ ان کا کوئی سیکورٹی عملہ بھی نہیں تھا۔ انہوں نے میسٹری سے کہا کہ وہ بھی تو مزدوروں کی مدد کر سکتا ہے۔ میسٹری نے جواب دیا کہ یہ اس کا کام نہیں ہے۔ کام کروانا ہی اس کا کام ہے۔ واشنگٹن نے کہا اچھا یہ بات ہے؟ تو ٹھیک ہے میں ہی مدد کر دیتا ہوں۔ انہوں نے مزدوروں کی مدد کی اور وہ ناٹ اوپر پہنچ گئی۔ کام ہونے کے بعد واشنگٹن نے میسٹری سے مخاطب ہو کر کہا ”میسٹری صاحب! اگر پھر کبھی ضرورت پڑے تو مجھے یاد کر لیجئے۔ میرا نام جارج واشنگٹن ہے۔“ یہ سننا تھا کہ میسٹری کی سانسیں بے ترتیب ہو گئیں۔

ہم اپنے ذہن سے اپنے بڑے پن کو نکال پھینک کر ہر چھوٹے بڑے کام کرنے کے لئے تیار ہونے والا ہی سادگی پسند زندگی گزار سکتا ہے۔ قیمتی کپڑے پہنے، اترائے اور اپنے اطراف و اکناف سیکورٹی عملہ رکھنا حقیقی بڑا پن نہیں ہے۔ اگر بیان کرتے جائیں تو عظیم ہستیوں کی سادگی کے ایسے کئی واقعات ہمیں تاریخ میں ملیں گے۔

تعلیم سے بردباری، بردباری سے کردار، کردار سے دولت، دولت سے ایمان اور ایمان سے سکھ ملتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بڑے لوگ ہمیشہ بردبار، مخلص زندگی پسند ہوتے ہیں۔ سادگی پسند سے مراد کم تر یا کمزور ہونا نہیں۔ اس کا یہ مطلب تو

بالکل بھی نہیں ہوتا کہ آدمی قابل رحم و غریبی میں زندگی گزارے۔ یہ غربت نہیں ہے اور نہ ہی اس کا مطلب لائق ہو جاتا ہے۔ سادگی پسندی ایک اصول ہے۔ اس اصول پر کار بند شخص غریب نہیں ہوتا بلکہ عظمت والا، مثالی اور محترم ہوتا ہے۔ اگر ہم سادگی پسند زندگی کی آسانیوں اور اس کے اندر کی فنگسی کا لطف اٹھانا چاہتے ہیں تو ہمیں چاہئے کہ اسے ہم اپنی زندگی کا شعار بنالیں۔ اسے اپنا نصب العین بنالیں۔ اس پر عمل آوری کے لئے عزم مصمم کر لیں۔

لوگوں کے پاس دولت ہو سکتی ہیں۔ اقتدار ہو سکتا ہے۔ تعلیم ہو سکتی ہے، خاندانی شان و شوکت ہو سکتی ہے لیکن اونچے مقام پر وہی لوگ پہنچ پاتے ہیں جنہوں نے سادگی پسند زندگی کو اپنا شعار بنایا۔ انہیں لوگوں کو عزت و احترام سے دیکھا گیا۔ وہی لوگ تمام کے لئے مشعل راہ بنے۔ سادگی پسند روحانی ترقی میں بھی معاون ہوتی ہے۔

ایس۔ آر شنکر۔ سادگی پسند کا دوسرا نام

ایس۔ آر شنکر ایک آئی۔ اے۔ ایس عہدیدار تھے۔ وہ بہت ہی سادگی پسند انسان تھے۔ وہ ذاتی کاموں کے لئے سرکاری گاڑی کا استعمال نہیں کرتے تھے۔ ان کا کوئی ذاتی گھر نہیں تھا۔ ذاتی املاک نہیں تھی۔ سادہ لباس، سادہ چمپل پہنا کرتے تھے۔ درج فہرست و کمزور طبقات کی ترقی کے لئے کام کیا کرتے تھے۔ پدمابھوشن ایوارڈ کو انہوں نے ٹھکرا دیا۔ اقتدار میں رہ کر دولت اکٹھا کرنے والوں کو ہم نے بہت دیکھا ہے لیکن اعلیٰ عہدہ پر فائز ہونے کے باوجود انہوں نے اپنی آمدنی غریب و ہریجن خاندانوں کے بچوں کی تعلیم پر خرچ کی۔ وہ اپنے کپڑے خود دھویا کرتے تھے۔ اپنے ملاقاتیوں کو خود ہی چائے بنا کر پلایا کرتے تھے۔ سرکاری جانب سے انہیں جو کوارٹرز دیا گیا تھا اس میں وہ پڑھنے والے بچوں اور تحقیقات کرنے والے بچوں کو اپنے ساتھ رکھ لیا کرتے تھے۔ اپنی زندگی میں اپنے والد کے لئے کچھ رقم رکھ لینے کے بعد باقی ماندہ غریب بچوں کی تعلیم اور یتیم خانوں پر خرچ کر دیا کرتے تھے۔ وہ کئی نوجوان عہدیداروں کے آئیڈیل ہیں۔ ہریجن و کمزور طبقات کے لئے کئی ایک پروگرامس انہوں نے بنائے اور ان کی ترقی کے لئے دن رات کوششیں کیں۔ حال ہی میں درج فہرست طبقہ سے تعلق رکھنے والے دو تانگانہ کے رتن پورنا اور آنند نے جنہوں نے ایوریسٹ کو سر کیا تو وہ غریب اور مچھڑے ہوئے طبقات کے دل اور ایس۔ آر شنکر کے امنٹ نقوش ہیں۔ ویسے کوئی عہدیدار ہیں لیکن ایس۔ آر شنکر کے وہ پنہنی ہوئی شخصیت ہیں جنہوں نے اپنی زندگی، اپنا اقتدار سب کچھ عوام کی ترقی کے لئے وقف کر دیا۔

قول زرین

اگر انسان دولت، عہدہ، جائیداد جیسی چیزوں کی آڑ لے کر بڑا بننے کی کوشش کرے تو وہ اخلاقی طور پر دیوالیہ ہو جائے گا۔
انسان کی شخصیت و عظمت کی پہچان اس کی اپنی سادگی پسندی ہے۔

4۔ اچھی زندگی گذاریں گے

- I۔ اہم قدر : معاون حیات مہارتیں
II۔ ذیلی قدر : انسانی رشتے۔ زندگی گزارنا ایک فن ہے۔
III۔ مقاصد مطلوبہ نتائج:

✦ انسانی رشتوں کے متعلق جاننا۔ انسانوں کو کس طرح رہنا چاہئے۔
✦ خود غرضی کو ترک کرتے ہوئے دوسروں کے کام آنا کے متعلق سیکھنا

IV: تمہید:

دور حاضر کے سماج میں انسانوں میں مفاد پرستی بہت زیادہ بڑھ گئی ہے۔ رشتوں کو بھی مال و دولت سے جوڑا جا رہا ہے۔ انسان ہر وقت اپنے ہی فائدے کے تعلق سے سوچ رہا ہے۔ اس کے کسی کام سے دوسروں کو پہنچنے والی تکلیف کا ذرا بھی احساس نہیں۔

انسان پرندے کی طرح ہوا میں اڑ رہا ہے۔ مچھلی کی طرح پانی میں تیر رہا ہے لیکن انسان کی طرح انسانیت کی زندگی نہیں گذار رہا ہے۔ زندگی گزارنا ایک فن ہے۔ دوسروں کو نقصان نہ پہنچاتے ہوئے اور خود بھی نقصان سے بچتے ہوئے، دوسروں کو تکلیف نہ پہنچاتے ہوئے اور خود بھی تکلیف سے بچتے ہوئے، قناعت کے ساتھ، ممکنہ حد تک دوسروں کی مدد کرتے ہوئے انسانیت کے ساتھ ہمیں زندگی گذارنی چاہئے۔

V: موضوع

واقعہ-1:

کسی گاؤں میں راجیانامی ایک کسان رہتا تھا۔ اس کی بیوی کا نام راجما تھا۔ ان کا اکلوتا بیٹا رگھو تھا۔ رگھو ایک ذہین

لڑکا تھا۔ اس کی ذہانت کو دیکھتے ہوئے راجیا اور راجما نے فیصلہ کیا کہ کسی بھی طرح اس کو پڑھا لکھا کر قابل بنائیں تاکہ وہ خوب ترقی کر سکے۔ جو تکالیف انہوں نے جھیلیں ہیں وہ ان کا بیٹا نہ دیکھے۔ اس کے لئے انہوں نے اپنا پیٹ کاٹ کر پیسہ جمع کیا اور بیٹے کو انجینئرنگ کی تعلیم دلوائی۔ رگھو کو ایک خانگی کمپنی میں اچھی سی نوکری ملی۔ ایک اچھی سی لڑکی سے اس کی شادی ہوئی۔ چونکہ اس کی نوکری شہر میں تھی، اس لئے اس نے کرایہ کا ایک مکان لے کر اپنی زندگی گزار رہا تھا۔ کمانے کی چکر میں پڑ کر اس نے اپنے ماں باپ کو بھلا دیا جس کی بدولت آج وہ اس مقام تک پہنچ پایا تھا۔ اس نے گاؤں کا رخ نہیں کیا۔ یہاں تک کہ وہ اپنے ماں باپ سے بات تک نہیں کر رہا تھا۔ پھر بھی ماں باپ نے کوئی شکایت نہیں کی۔ انہوں نے یہی سمجھا کہ ان کا بیٹا کام کی زیادتی کی وجہ سے ان سے بات نہیں کر پارہا ہے۔ کچھ عرصہ گزرنے کے بعد وہ کام کاج کرنے کی حالت میں نہیں تھے۔ پھر بھی نہ تو بیٹا آیا اور نہ ہی اس نے بات کی۔ ان کی اس حالت کو دیکھ کر پڑوسیوں نے ہمدردی دکھائی اور وہی انہیں کھانا وغیرہ کھلا رہے تھے۔ غور کیجئے! پال پوس کر پڑھا لکھا کر اس مقام تک لے آنے والے ماں باپ کو بھول جانے والا بیٹا کیا واقعہ کوئی بیٹا ہے۔ کیا اس کی زندگی بھی کوئی زندگی ہے۔

واقعہ-2

یہ شہر حیدرآباد کا منظر ہے۔ صبح 10 بجے کا وقت ہے۔ سڑکوں پر گاڑیاں دوڑ رہی ہیں۔ ہر کسی کو اپنی دھن میں ہے۔ کوئی ایسے وقت میں ایک ادھیڑ عمر شخص اسکوٹر سے سڑک پر گر پڑا۔ سر اور ہاتھوں پر چوٹیں آئیں۔ کچھ لوگوں نے اپنی گاڑیاں بازو پارک کیں، اس شخص کے پاس پہنچے، اسے اٹھایا پانی پلایا اور پھر 108 کوفون کیا۔ ان میں سے ایک دو تو دواخانہ تک بھی گئے اور اس شخص کا علاج بھی کروایا اور اس کے رشتہ داروں کو فون بھی کیا۔ ان کے اسپتال پہنچنے کے بعد وہ لوگ وہاں سے رخصت ہوئے۔

مفاد پرستی کے اس دور میں آج بھی ایسی انسانیت کا مظاہرہ کرنے والے لوگ دنیا میں موجود ہیں۔ اس طرح ضرورت مندوں کی ہر وقت مدد کرتے ہوئے ہمیں زندگی بسر کرنی چاہئے۔ اور یہی زندگی ہے۔

VI-الف: سوچنا۔ رد عمل کا اظہار کرنا

1- آپ نے مندرجہ بالا واقعات پڑھے۔ ان کی روشنی میں بتائیے کہ انسانی رشتوں سے کیا مراد ہے؟ وہ کس طرح ہونا چاہئے؟

2- انسان کو اپنی زندگی کیسے گزارنا چاہئے؟

3- آپ اپنی زندگی کس طرح گزارنا چاہتے ہیں؟

4- کیا آپ نے کبھی کسی کی مدد کی ہے؟ ان موقعوں کا ذکر کیجئے؟

(ب) عمل کیجئے۔ تجربات بیان کیجئے

آپ اس تمام ہفتے بڑوں کے ساتھ ادب سے پیش آئیے۔ ایمانداری سے رہئے۔ ضرورت مندوں اپنی بساط بھر مدد کیجئے۔ ایسا کرتے وقت آپ نے کیسا محسوس کیا؟ اپنے تجربات بیان کیجئے۔

..... جائے

انسان ایک سماجی جانور ہے۔ اس لئے انسان کو کئی لوگوں سے رشتے استوار کرنے ہوتے ہیں۔ سب سے پہلے گھر والوں کے ساتھ، پھر پڑوسیوں کے ساتھ، سماج کے مختلف افراد کے ساتھ اور پھر کئی ایک کے ساتھ مل جل کر رہنا ہوتا ہے۔ کسی سے کوئی ربط رکھے بغیر کوئی بھی انسان نہیں رہ سکتا۔

سوجھ بوجھ، مطابقت اور جذبات پر قابو رکھنا وغیرہ کسی بھی انسانی رشتے کے لئے بنیادی اصول ہیں۔ اگر ان اصولوں پر عمل نہ کیا جائے تو زندگی کی ہر دن ایک نئی جہت ہوگی۔

اس دور میں انسانوں میں رواداری دن بدن گھٹتی جا رہی ہے۔ جس کو بھی دیکھے کہ کوئی ہماری بات نہیں مان رہا ہے، ہم اسے نقصان پہنچانے کی ترکیبیں سوچنے لگے ہیں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ ہم نے اپنے بچوں کو بچپن میں رواداری، بقائے باہمی کی چاشنی سے واقف نہیں کروایا جیسا کہ ہمارے بڑوں نے ہمیں سکھایا تھا۔

ہماری زندگی ایک مشین بن کر رہ گئی ہے۔ دل کھول کر آپس میں بات کرنے کی کسی کے پاس فرصت نہیں ہے۔ مسائل پر افراد خاندان سے تبادلہ خیال کرنے کا وقت کسی کے پاس نہیں ہے۔ ہم میں سے ہر کوئی کبھی نہ کبھی جذبات سے مغلوب ہوتے ہی رہتے ہیں۔ جب بھی ہمیں کوئی مسئلہ درپیش ہوتا ہے ہمیں بے جھجک اپنے ماں باپ سے اس کا ذکر کرنے کی عادت ڈال لینی چاہئے۔ ایسا کرنے سے ہمارے دل سے بوجھ اتر جاتا ہے۔ بلا سوچے سمجھے فوری فیصلہ کریں تو ہم راستے سے بھٹک جائیں گے۔ نفس پر کنٹرول اور صبر و تحمل ہو تو کوئی بھی مسئلہ حل کیا جاسکتا ہے۔ اس کے لئے ہماری تعلیم اور اپنے

اطراف واکناف میں موجود اشخاص کے تجربوں کو استعمال کرنے کی عادت ڈال لینی چاہئے۔ آج کے سماج میں تجارتی رجحان کافی بڑھ گیا ہے۔ ہر کام میں نفع نقصان ہی کے تعلق سے سوچا جا رہا ہے۔ انسان اگر اپنی تعلیم اور دنیا سے سیکھے ہوئے نکات کا صحیح استعمال کریں تو مسائل اپنے آپ ہی حل ہو جائیں گے۔ ایسا کوئی مسئلہ نہیں، ڈھونڈنے پر جس کا حل نہ ملے! انسانی رشتوں کو فروغ دینے میں جذبات پر قابو رکھنا بھی ایک ضروری مہارت ہے۔ جذبات ہر انسان میں مطوبہ مقدار میں ہوتے ہیں۔ غم و غصہ، غیرت، نفرت، محبت، حسد، مرضی، عدم اتفاق و عدم رضامندی جیسے جذبات ہمیں کنٹرول کرتے ہیں۔ عموماً ہم مخصوص حالات ہی میں ان جذبوں سے مغلوب ہوتے رہتے ہیں اور ان جذبوں پر قابو پالینے کے بعد ہی ہم دوسروں سے رشتے استوار کر سکتے ہیں یا اپنے تعلقات کو فروغ دے سکتے ہیں۔ اکثریت کے پسندیدہ جذبوں کا مظاہرہ کر کے ہم ان لوگوں کو اپنی طرف راغب کر سکتے ہیں۔

(الف) مسکراہٹ:۔ آپ کے چہرے پر ہمیشہ مسکراہٹ ہونی چاہئے اور یہ کوئی مشکل کام بھی نہیں۔ پھر بھی یہ گراں گذرے تو آئینے کے سامنے اس کی مشق کرنی چاہئے۔ آپ خود محسوس کریں گے کہ مسکراتے ہوئے آپ کتنے خوبصورت لگتے ہیں۔

موقع محل کا لحاظ کرتے ہوئے اگر ہم ہنس بھی لیں تو کوئی حرج نہیں۔ اگر حیدرآباد شہر کے عابڈس پر زور سے ہنس پڑیں تو آنے جانے والے لوگ آپ کو مشکوک نظروں سے دیکھیں گے۔ لیکن مسکراہٹ سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ آپ کہیں بھی ہوں، چند ایک مقامات پر تو لوگ ایک جگہ اپنا ایک کلب قائم کر لیتے ہیں اور ہفتہ میں کم از کم ایک روز وہاں جا کر ایک گھنٹہ تک بے وجہ ہنستے ہیں۔ اسے انہوں نے لافنگ کلب Laughing Club کا نام دیا ہے۔

مسکراہٹ سے 40 چالیس قسم کی بیماریاں ہم سے دور ہو جاتی ہیں۔ اب وہ دن نہیں رہے جب ہنسی کو چار قسم کی آفتوں کا باعث سمجھا جاتا ہے۔ یہ کہاوت عورتوں کو نظر میں رکھ کر کہی جاتی تھی، لیکن آج یہ بات نہیں۔ مسکراہٹ نے مرد و عورت دونوں کے لئے مفید ہے۔ اتنا کچھ ہنسنے کے بعد بھی چند ایک بوڑھے بری صورت بنائے ایک کونے میں الگ تھگ ایسے بیٹھے رہتے ہیں جیسے ان کا سب کچھ لٹ چکا ہو۔ ان کا چہرہ توے کی طرح تہمتا تارہتا ہے کہ ہم اس پر اپنی جوار بھون سکتے ہیں۔ دوستو! اگر آپ کے اس رویہ سے اگر کسی کو فائدہ ہو سکتا ہے تو وہ ڈاکٹروں کو۔ کیونکہ آپ کے اس طرز عمل سے آپ کی بیمار پڑنا تو طے ہے۔ لہذا ہنسنے۔ کم از کم اپنے چہرے پر مسکراہٹ کو سچائیے۔

●● راستے چلتے ہوئے دوسرے راہ گیر کو ذرا مسکراہٹ کے ساتھ دیکھتے جائیے آپ اسے جانتے ہوں یا نہیں۔ اس نسخہ کو آج ہی آزمائیے۔ وہ رک کر آپ سے دریافت کرے گا کہ آپ کون ہیں؟ آپ صرف اتنا کہہ دیجئے کہ وہ شخص آپ

کو آپ کے دوست جیسا دکھائی دیا تھا۔ اسی لئے آپ نے اسے دیکھ کر مسکرایا تھا۔ یقین کچھے جیسے آپ آج تک جانتے بھی نہیں تھے وہ آج آپ کا دوست بن جائے گا۔ ریل گاڑی میں اگلی نشست پر بیٹھے ہوئے شخص سے ہونے والے کئی تنازعات کو مسکراہٹ کے ذریعہ ٹالا جاسکتا ہے۔

●● ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ آئی۔ اے ایس کے مسابقتی امتحان میں انٹرویو چل رہا تھا۔ وہاں تین بحس بیٹھے ہوئے تھے۔ اس امتحان میں تیسری دفعہ شریک ہونے والے ایک امیدوار سے ایک جج نے پوچھا کہ اگر ایک لاری بھرا اینٹ اسے دے دی جائے تو وہ اس کا کیا کرے گا۔ آئی۔ اے۔ ایس نے بننے کا اس امیدوار کا یہ آخری موقع تھا۔ اس نے مسکرات ہوئے جواب دیا ”I'll dam them“ جس کے معنی ہوتے ہیں کہ وہ اینٹوں سے ایک ڈیم تیار کرے گا۔ اسی جملہ کو بغیر مسکرائے ادا کیا جائے تو اس کے معنی ہوتے ہیں ”میں انہیں اٹھا کر پھینک دوں گا“ وہ امیدوار جھلاہٹ کے ساتھ ایسا جواب دے بھی سکتا تھا کیونکہ ایک بننے والے آئی۔ اے۔ ایس بننے والے شخص کو ایک لاری اینٹ دینا اس کا مذاق اڑانے والی بات تھی۔ لیکن امیدوار نے تحمل سے کام لیا اور مسکراہٹ کے ساتھ سوال کا جواب دیا اور نتیجہ میں وہ کامیاب ہوا۔ غور کیجئے کہ اس کی مسکراہٹ ضائع نہیں ہوئی۔

فرض کیجئے آپ ایک انجان مقام پر پہنچے۔ آپ کے ہاتھ میں پتہ لکھی ہوئی ایک پرچی ہے۔ اس پرچی کو کسی غصہ والے آدمی کے ہاتھ میں تھما دیجئے۔ وہ پرچی کو الٹ پلٹ کر دیکھے گا اور پھر دریافت کرے گا کہ وہ کیا ہے۔

پتہ۔ آپ کا جواب ہوگا۔

کس کا پتہ؟ کیسا پتہ، وہ آپ سے پوچھے گا۔

آپ سوچنے لگیں گے کہ کیسے سمجھائیں۔ اور جب اس سے وہ پرچی چھین کر آگے بڑھیں گے تو اپنے پیچھے آپ کو اسی شخص کی آواز سنائی دے گی جو کہہ رہا ہوگا۔ یعنی کیسے کیسے عجیب لوگ ہوتے ہیں۔ ہاتھ میں پرچی تھما دیتے ہیں اور پڑھنے سے پہلے چھین بھی لیتے ہیں۔

اب وہی پرچی آپ کس خوش اخلاق آدمی کو دیجئے۔ وہ رک کر آپ کو پتہ بتائے گا۔ تفصیلات دے گا کہ آپ آگے سے مڑنا ہے۔ پھر کچھ دور پر دائیں مڑنا ہے۔ وہاں آپ کو ایک ٹرانسفا رمر آئے گا۔ جس کے اطراف کو باڑھ نہیں ہوگی۔ وہی اس گھر کی نشانی ہے جہاں آپ کو پہنچنا ہے۔

آپ نے دیکھا کہ دو مختلف لوگوں کے برتاؤ میں کتنا فرق ہے۔

مسکراہٹ سے آپ کو وہ خوبصورتی ملتی ہے جو آپ کا لباس اور آپ کے زیورات بھی نہیں دے سکتے۔

کسی کی شادی ہونے والی ہے۔ شادی کے لئے جب لڑکے والے لڑکی کو دیکھنے کی بات کرتے ہیں تو وہاں آپ کو بہت محتاط رہنا ہوتا ہے۔ غور سے دیکھئے کہ جس سے آپ شادی کرنے جا رہے ہیں اس لڑکی کے چہرہ پر مسکراہٹ ہے بھی یا نہیں۔ دھن دولت نہ بھی ہو تو کوئی مضا نقہ نہیں۔ چہرے پر مسکراہٹ ہو تو زندگی آسان گزر جاتی ہے۔

(ب)۔ نام سے مخاطب کیجئے:۔ ایک لفظ جو ہر کسی کو عزیز ہے، وہ اس کا نام ہے۔ بناء میں میر اور مجھے جیسے الفاظ کا استعمال کئے بغیر ہم پانچ منٹ بھی بات نہیں کر سکتے۔ اس لئے کہ میں اور میرا جیسے الفاظ انسانی فطرت میں سائے ہوئے ہیں اور پھر کچھ حد تک ایسا کرنا ضروری بھی ہو۔

●● آپ کا دوست احمد آپ سے کچھ دوری پر راستے سے گذر رہا ہے۔ اسے آپ احمد نام سے بلائیے وہ آپ کی طرف متوجہ ہوگا۔ اس کے برخلاف اسے رفیق کے نام سے پکاریئے وہ آپ کی طرف توجہ نہیں دے گا۔ احمد اور رفیق دونوں ہی اگر چہ اچھے نام ہیں لیکن آپ کا دوست احمد کے نام سے مخاطب کرنے پر ہی توجہ دی۔ کیونکہ یہ اس کا نام ہے۔

●● شہر کرنول میں ڈاکٹر چندر راؤ نامی ایک معالج ہیں۔ انہیں اپنے پیشہ سے سبکدوش ہوئے بھی شائد 20 برس گذر چکے ہوں گے۔ گذشتہ 60 سال میں جن جن ڈاکٹروں نے ان کے ساتھ کام کیا، یا جن جن مریضوں کا انہوں نے علاج، ان تمام کو وہ ان کے اپنے نام سے مخاطب کرتے ہیں۔

ایک دن ان کے ہاں رامیا نامی ایک مریض آیا۔ اپنے سابقہ مریض کو دیکھتے ہی انہوں نے پوچھا، کیا رامیا! اچھے ہو؟

رامیا نے حیرت سے اپنے اغل بغل دیکھا کہ شاید وہاں کوئی دوسرا رامیا بھی ہوگا جسے ڈاکٹر نے پکارا۔

اس مریض کی حیرت کو توڑتے ہوئے ڈاکٹر نے کہا ”میں تمہیں سے مخاطب ہوں رامیا“

رامیا نے تعجب سے کہا۔ سر! کیا آپ کو میرا نام ابھی تک یاد ہے۔

ڈاکٹر نے کہا۔ ارے بھائی! نہ صرف مجھے تمہارا نام یاد ہے بلکہ تمہاری ساری کیفیت بتا سکتا ہوں۔ تم 4 جنوری

2005 کو میرے پاس آئے تھے۔ تمہیں ہائی BP ہے۔ جس نے تمہیں سین نامی دوا تجویز کی تھیں۔ بتاؤ! اب کیسی طبیعت

ہے تمہاری؟ ڈاکٹر صاحب نبض دیکھنے میں ماہر ہیں۔

بہت اچھی تشخیص کرتے ہیں۔ اب رامیا جس سے بھی ملتا ہے اسے یہی مشورہ دیتا ہے کہ وہ ڈاکٹر رام چندر راؤ سے

علاج کروائے۔ اور یہ غلط بھی نہیں۔ ڈاکٹر صاحب حقیقت میں ایک بہترین ڈاکٹر ہیں۔ اپنے مریضوں کو ان کے نام سے

بلانے والے ڈاکٹر اور اپنے طلباء کو نام سے پکارنے والے ٹیچر یقیناً عظیم ہوتے ہیں۔

کسی بھی شعبہ جات سے تعلق رکھنے والا شخص ہو، اپنا نام سکر خوش ہوتا ہے، نام سے بلایا جائے تو تعلقات پیدا ہوتے

ہیں۔ انسانی رشتے مضبوط ہوتے ہیں۔ لوگ ہمارے قریب آتے ہیں۔ انسانی رشتوں کے معاملہ یہ ایک اہم اصول ہے۔ ایک سیاسی پارٹی کی عوامی میٹنگ میں ایک لیڈر نے اسٹیج پر پہنچ کر چاروں طرف نظریں دوڑائیں۔ پیچھے بیٹھے ہوئے سبیا پر اس کی نظر پڑی۔ لیڈر نے سبیا کو اس کے نام سے پکارا تو وہ ہانپتے کانپتے اسٹیج پر پہنچا۔ لیڈر نے سبیا کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور اسے ایک طرف لے گیا۔ اس نے اس کی خیر و عافیت دریافت کی۔ اس کے ماں باپ کے تعلق سے اسے اس کے نام سے پکارے جانے، اس کے کندھے پر ہاتھ رکھنے، اسے ایک طرف لے جانے، اس کے تعلق سے دریافت کرنے اور اسے اتنی اہمیت دینے کا نتیجہ یہ نکلا کہ سبیا کا سینہ تین انچ پھول گیا۔ اس نے ایک تاریخی فیصلہ کیا۔

انسانی رشتوں میں بہتری لانے اور خوش و خرم زندگی گزارنے کے چند اصول

- ☆ چہرے پر ہمیشہ مسکراہٹ ہونی چاہئے۔ ہر کسی سے مسکراتے ہوئے مخاطب ہونا چاہئے۔
- ☆ سامنے والے شخص کی باتوں کو پہلے غور سے سنیں۔ اس کے بعد ہی اپنے رد عمل کا اظہار کریں۔
- ☆ جب کوئی اچھا کام کریں تو انہیں سراہنا چاہئے۔ ان کی ہمت افزائی کرنی چاہئے۔
- ☆ ایمان داری و سچائی کے ساتھ باہمت و آزادانہ زندگی گزارنا چاہئے۔
- ☆ عجز و انکساری سے رہنا چاہئے۔
- ☆ چوری نہیں کرنی چاہئے۔
- ☆ ایسے کام نہ کریں جس سے ہماری عزت پر آنچ آئے۔ خودداری سے رہنا چاہئے۔
- ☆ جب بھی کوئی ہماری مدد کرے تو ہمیں اس کا شکر گزار ہونا چاہئے۔
- ☆ ہمیں ممکنہ حد تک دوسروں کی مدد کرنی چاہئے۔
- ☆ ہمیں ان کی مدد کرنی چاہئے جو تکلیف میں ہوں۔
- ☆ دوسروں کی مذمت نہ کریں۔ دوسروں کے ساتھ گالی گلوچ نہ کریں۔
- ☆ ہمیں یہ جان لینا چاہئے کہ خواہشات ہی تمام دکھوں کی وجہ ہیں۔

غور کیجئے!

- ☆ آپ چاہتے ہیں کہ آپ خوش رہیں۔
☆ آپ چاہتے ہیں کہ دوسرے آپ کی مدد کریں۔
☆ آپ چاہتے ہیں کہ سب آپ کی عزت کریں۔
☆ آپ چاہتے ہیں کہ سب آپ سے اچھی بات کریں۔
☆ آپ چاہتے ہیں کہ سب آپ کی سنیں۔
☆ آپ چاہتے ہیں کہ آپ کو کوئی تکلیف نہ پہنچائیں۔
☆ آپ چاہتے ہیں کہ آپ کے ساتھ سبھی رواداری سے پیش آئیں۔
- آپ کتنے لوگوں کو خوش کر رہے ہیں؟
آپ کتنے لوگوں کی مدد کر رہے ہیں؟
آپ کتنے لوگوں کی عزت کرتے ہیں؟
کیا آپ دوسروں کے ساتھ خوش اخلاقی سے بات کرتے ہیں؟
آپ کتنے لوگوں کی بات مانتے ہیں؟
کیا آپ بھی کسی کو تکلیف نہیں پہنچا رہے ہیں؟
مگر کیا آپ دوسروں کے ساتھ مروت سے پیش آتے ہیں؟

قول زریں

ہماری زندگی ہمارے ہاتھ میں ہے۔ ہم ویسے ہی رہیں گے جیسا ہم رہنا چاہتے ہیں۔ لہذا ہمیں عمدہ و اعلیٰ زندگی کے خواب دیکھنے کی عادت ڈال لینی چاہئے۔ تب ہی ہماری زندگی بامقصد ہوگی۔

قدرتی وسائل کا تحفظ

- ۱۔ اہم قدر : ذمہ داریوں کی ادائیگی۔ فرائض کی ادائیگی
 ۲۔ ذیلی قدر : قدرتی وسائل کا تحفظ ہماری ذمہ داری ہے۔
 ۳۔ مقاصد مطلوبہ نتائج:

ہمارے اطراف و اکناف موجود ماحول، اس سے ملنے والے وسائل کے تحفظ کو اپنی ذمہ داری سمجھنا۔
 اس ذمہ داری کے عین مطابق اپنے رویہ کو ڈھالنے سے متعلق فہم حاصل کرنا۔
 IV۔ تمہید:

انسانی زندگی کو ہم فطرت سے علیحدہ نہیں کر سکتے۔ ہماری زندگی کے لئے درکار ہوا، پانی اور غذا وغیرہ ہمیں فطرت ہی سے حاصل ہوتے ہیں۔ اگر ہم فطرت کی حفاظت کریں گے تو ہم اپنی زندگی کی معیاد (حیات) بڑھا سکتے ہیں۔ فطرت میں موجود وسائل ہی پر ہماری زندگی کا انحصار ہے۔ اس سے متعلق نکات ہم اس یونٹ میں سیکھیں گے۔

V۔ موضوع:

ہمارے ملک میں فطری خوبصورتی کا دوسرا نام کیرالا ہے۔ ناریل کے درختوں اور چھالیہ کے درختوں سے ہمیشہ یہ علاقہ سرسبز و شاداب رہتا ہے۔ آپ جس گھر پر بھی جائیں وہاں ناریل اور چھالیہ کے یہ درخت آپ کا استقبال کرتے نظر آئیں گے۔ یہاں کے باشندے اپنی زندگی کے لئے ان ہی درختوں پر انحصار کرتے ہیں۔ مگر ان ہی درختوں کو اب ان دیکھا خطرہ لاحق ہو چکا ہے۔ ناریل اور چھالیہ کی پیداوار گھٹ رہی ہے اور یہ درخت آہستہ آہستہ ختم ہو رہے ہیں۔ وہاں زرعی سائنسدانوں نے تحقیقات شروع کر دیں کہ اچانک پیداوار کیوں کم ہو رہی ہے اور درخت اس طرح کیوں ختم ہو رہے ہیں۔ اس کھوج سے یہ پتہ چلا کہ وہاں زمین پلاسٹک کی وجہ سے آلودہ ہو رہی ہے اور جس کے نتیجے میں درخت مر رہے ہیں۔ یہ چونکہ ایک سیاحتی (تفریحی) مقام ہے، یہاں بڑی تعداد میں ہر روز سیاح آتے رہتے ہیں جو اپنے ساتھ لائی پانی کی پلاسٹک باٹلس اور پلاسٹک پاکٹس استعمال کے بعد وہیں پھینک دیتے ہیں جو بعد میں زمین میں ملکر مٹی کو آلودہ

کرتی ہیں۔ سائنسدانوں نے محسوس کیا کہ یہی پیداوار میں کمی کی وجہ ہے۔

سائنسدانوں نے اس کے تدارک کیلئے کیا کیا؟

☆ مٹی کی آلودگی کو کم کرنے کے لئے کیرالا کے ہر گاؤں میں پلاسٹک کے استعمال پر امتناع عائد کیا گیا۔ اس امتناع پر سختی کے ساتھ عمل آوری کے لئے اس کی ذمہ داری متعلقہ گاؤں کے بچوں کو دی گئی۔ ان بچوں نے گھر گھر پہنچ کر پمفلٹس تقسیم کئے۔ دیواروں پر پوسٹرس چسپاں کئے اور لوگوں کو پلاسٹک کے استعمال سے ہونے والے نقصان سے واقف کروایا۔ گاؤں میں جو بھی پلاسٹک کے بیگ یا کور کے ساتھ آتا ہے تو اس کے پاس پہنچ کر پلاسٹک پر امتناع کے تعلق سے اسے سمجھاتے۔ اگر کوئی ان کی بات نہیں مانتا تو اس کی اطلاع گرام پنچایت کو دی جاتی اور اس شخص پر جرمانہ عائد کیا جاتا۔ اس طرح کیرالا کے ہر گاؤں میں پلاسٹک سے ہونے والے نقصانات سے لوگوں کو واقف کراتے ہوئے وہاں مٹی کی آلودگی کی روک تھام کی شروعات کی گئی۔

اس کے ساتھ ساتھ ایک قدم اور آگے بڑھاتے ہوئے مستقبل کی ضروریات کے پیش نظر بچوں نے خود پیڑ لگانے کا کام ایک بڑے پیمانے پر شروع کیا۔ انہوں نے جگہ جگہ ناریل اور چھالیہ کے پیڑ لگائے۔ 20 دن بعد ان پیڑوں کی نام رکھائی کی رسم بھی ادا کی گئی۔ ہر مہینے اس جھاڑ کی افزائش کو ناپا گیا۔ کونپلوں اور پتوں کی تعداد نوٹ کی گئیں۔ اور ان تمام تفصیلات کے اندراج انہوں نے اپنی ڈائری میں کیا۔ سال تمام اس پیڑ کی حفاظت کرنے کے بعد اس کی سالگرہ بھی منائی جانے لگی۔ My Tree نام سے کامیابی کے ساتھ چلائے جانے والے اس پروگرام کے نتیجے میں آج کیرالا میں مٹی جیسی قدرتی دولت کو آلودگی سے بچایا گیا۔ لگائے گئے پیڑ آج درخت بن کر پھل دینے لگے ہیں۔ اس طرح بچوں نے وہاں اپنی ذمہ داری کو بخوبی نبھایا۔

ہماری ریاست میں بھی مدرسوں میں پڑھنے والے لڑکے لڑکیاں NGC نامی سرکاری ادارے کی سرپرستی میں پیڑ لگانے اور قدرتی وسائل کے تحفظ کے لئے مختلف پروگرامس چلا رہے ہیں۔ اس دوران گنیش چوتھی کے موقع پر آبی آلودگی کے تدارک کے لئے چلائے جانے والے پروگرام کے حصہ کے طور پر انہوں نے لوگوں میں شعور بیدار کیا کہ گنیش کی مورتیوں کی تیاری میں وہ مٹی اور قدرتی رنگوں کا استعمال کریں۔ اسی طرح ہماری ریاست کے ضلع محبوب نگر میں Center for Green Revolution نامی ایک رضا کار ادارے نے اسکول کے بچوں کی مدد سے ہر سال ایک لاکھ پودے لگانے کا پروگرام شروع کیا ہے۔ اس ادارے نے اب تک تین لاکھ پودے لگائے ہیں۔

اختتام:- فطرت کا تحفظ ہم سب کا فرض ہے۔ اگر ہم فطرت کا تحفظ کریں گے فطرت ہماری حفاظت کرے گی۔ ہم اس وقت تندرست و صحت مندرہ سکتے ہیں جب ہمیں قدرتی طور پر صاف ستھری ہوا اور صاف ستھرا پانی دستیاب ہو۔ فطرت میں موجود جھاڑ پودے، پہاڑ وغیرہ ہمیں خوش گوار ماحول اور ذہنی سکون فراہم کرتے ہیں۔ انہیں آلودگی سے بچانا اور پانی کا تحفظ کرنا ہم سب کی ذمہ داری ہے۔

(الف) سوچنا۔ رد عمل کا اظہار کرنا

- 1- کیرالا میں ماحولیات کو کیا نقصان پہنچا؟ اس کی وجوہات کیا ہیں؟ کوئی چیز آپ کے ماحول میں فضاء کو نقصان پہنچاتی ہیں؟
- 2- ماحولیات کے تحفظ کے لئے کیرالا میں بچوں نے کیا کیا؟ آپ اپنے ماحول کی حفاظت کس طرح کریں گے؟
- 3- ہماری ضرورتوں کی تکمیل کے لئے ہمیں قدرتی طور پر کون سے وسائل دستیاب ہیں؟ ان کے تحفظ کے لئے ہماری کیا ذمہ داری ہے؟
- 4- مستقبل میں وسائل کے تحفظ کے لئے آپ کیا اقدامات کریں گے۔ بتائیے؟

(ب) عمل کیجئے۔ تجربات بیان کیجئے۔

پانچ باتوں پر مشتمل ایک گروپ تشکیل دیجئے اور کسی ایک ماحولیاتی مسئلہ کو لیکر آپس میں تبادلہ خیال کیجئے اور اسی کے تدارک کے طریقوں پر بحث کیجئے۔ ان تدارکی اقدامات پر ایک مہینے تک عمل کیجئے اور اپنے تجربات بیان کیجئے۔

جانے

ماحولیات سے مراد ہمارے اطراف و اکناف میں ہم اور ہمارے ساتھ موجود جاندار و بے جان چیزیں ہیں۔ ماحولیات کے تحفظ سے مراد خود کو اور ساتھ ساتھ اپنے اطراف و اکناف میں پائے جانے والے درخت، زمین، ہوا، پانی، پہاڑ، دریا، چڑیاں و پرندے اپنے آنے والے لکل یعنی مستقبل کی حفاظت کے لئے مسلسل نبھائی جانے والی ذمہ داریوں کا ایک سلسلہ (پروگرام) ہے۔ زمین پر موجود جاندار و بے جان عوامل، ان کے درمیان رشتے، ان کے فطری افعال فطرت کو سنوار کر انسان کے لئے خوشی کا باعث بنتے ہیں۔ تمام جانداروں میں سب سے زیادہ عقلمند اور ترقی یافتہ مخلوق انسان ہے۔ یہ فطرت اپنی ضروریات کے مطابق ڈھال لیتا ہے اور اس سے ہر طرح فائدہ اٹھانے کے بعد اب وہ خود اس کو ختم کرنے پر تلا ہوا ہے۔

انیسویں صدی عیسوی کی شروعات ہی سے آبادی میں اضافہ ہوا ہے اور طرز زندگی میں بھی کافی تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں۔ بڑھتی آبادی اور اس کی ضروریات کی تکمیل کے لئے سائنسی و تکنیکی میدانوں میں کافی ترقی ہوئی ہے اور ہورہی ہے۔ لیکن سائنسی و تکنیکی میدانوں میں رونما ہونے والی ان انوکھی تبدیلیوں کے باعث انسانوں اور چرند پرند کے وجود ہی کو خطرہ لاحق ہو گیا ہے۔ آلودگی کے عوامل کا تدارک نہ کرنا، انہیں کم نہ کرنا اور ان عوامل کی پیدائش کے اسباب کی طرف توجہ نہ دینا، وسائل کا اپنے مفاد کے لئے استعمال نہ کرنے کی وجہ سے انسان اپنی بربادی کو خود دعوت دے رہا ہے۔

اگر ہم ماحولیات کا تحفظ نہیں کر سکتے ہیں تو کم از کم انہیں تباہ نہ کریں۔ یہ بھی ہمارے لئے کافی ہے۔ کیونکہ یہی پرفضاء ماحول ایک دودھ دیتی گائے کی طرح ہماری زندگی کی ضروریات کو پورا کرتے ہوئے تمام تر سہولیات بہم پہنچا کر ہوئے ہماری صحت و حیات کو فروغ دیتا ہے۔ مگر محض اپنے مفاد کی خاطر شروع کئے گئے صنعتیانہ کے عمل کو آلودگی کا سبب بننے والی ٹکنالوجی کا عام چلن آج ہمیں اس موڑ پر لے آیا ہے جہاں انسانی صحت داؤ پر لگی ہے۔ انسان کا بھرپور صحت کے ساتھ زندگی گزارنا اس وقت ممکن ہے جب اسے صاف ستھری ہوا، صاف ستھرا پانی، صحت بخش غذا اور صاف ستھرا ماحول ملے۔ لہذا اگر ہم زندہ رہنے کے حق کو صحیح معنوں میں لاگو کرنا چاہتے ہیں تو مندرجہ بالا تمام چیزیں نہایت ہی ضروری ہیں۔ خوشگوار ماحول اور اس کا تحفظ انسانی زندگی کے لئے کتنے کلیدی ہیں؟ اس پر مزید کہنے کی ضرورت نہیں۔

اگر انسان زمین پر نہ ہو تو بھی ہوا، پانی اور درختوں و پیڑوں کو کوئی فرق نہیں پڑتا لیکن اگر یہی چیزیں دستیاب نہ ہوں تو انسان کے وجود پر ہی سوالیہ نشان لگ جائے گا۔

اگر انسان زمین پر نہ بھی ہو تو ہوا، پانی اور درخت و پیڑوں سے بھری فطرت (ماحولیات) کوئی فرق (نقصان) نہیں ہوتا لیکن اس کے بغیر انسان کا وجود ہی خطرے میں پڑ جائے گا۔ اسی لئے ماحولیات کے تحفظ کی ذمہ داری ہم سب پر عائد ہوتی ہے۔ امیر، غریب، حاکم و محکوم سب قدرت کی نظر میں ایک ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ انسان ماحولیات کو جو کچھ دیتا ہے وہ بہت کم ہے۔ اس سے جو حاصل کرتا ہے وہ بہت زیادہ ہے۔ اسی لئے ماحولیات کا تحفظ ہم میں سے ہر ایک کی ذمہ داری ہے۔

فطرت کے تحفظ سے مراد صرف اپنے آپ کو بچانا ہی نہیں ہے بلکہ آنے والی نسلوں کو ایک صحت مند زندگی دینا بھی ہے۔ آج جو ریٹیل میدان ہمیں نظر آتے ہیں کسی زمانے میں وہ سرسبز و شاداب ہوا کرتے تھے۔ اس زمانے میں علم کی کمی کے باعث شاید ہم سے غلطیاں ہوئی تھیں۔ لیکن فنی اعتبار سے ترقی یافتہ اس دور میں ہم سب کی یہ ذمہ داری ہے کہ ماحولیات کی تباہی کو دیگر علاقوں تک نہ پہنچنے دیں۔ ماحول میں ہر چیز ایک دوسرے سے جڑی ہوئی ہے۔ مثال کے طور پر اگر پانی آلودہ

ہو جائے تو اس سے مٹی زہریلی ہو جاتی ہے۔ اب چونکہ آلودہ مٹی میں پودے نہیں پنتے ہیں۔ زمین بخر بن جاتی ہے۔ ہم سب جانتے ہیں کہ انسانی بقاء کے لئے درکار آکسیجن کو دراصل درخت خارج کرتے ہیں اور اس کے بدلہ میں کاربن ڈائی آکسائیڈ جذب کرتے ہیں۔ درختوں کے نہ ہونے کے سبب انسان کی عمر گھٹتی ہے اور وہ مختلف بیماریوں کا شکار ہو کر موت کے قریب ہو جاتا ہے۔ اس طرح انسانوں کے وجود سے خالی ہونے والے علاقہ آہستہ آہستہ ریتیلے میدانوں میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔

اب ہم سب کے لئے سوچنے والی بات یہ ہے کہ ترقی کے نام پر قدرتی وسائل یا ماحولیات کو تباہ کرنا کہاں تک درست ہے۔ اس کے تدارک کے لئے چاہئے کہ ماحولیاتی تحفظ کو ہم اپنا فرض سمجھیں اور ایسا ممکن بھی ہے اگر ہم اپنے ماحول کو صاف ستھرا رکھیں۔ پودے لگائے، پانی احتیاط سے برتیں اور پلاسٹک جیسی نقصان دہ شے کے استعمال کو ترک کر دیں بلکہ اس کے استعمال پر امتناع عائد کر دیں۔ طلباء میں بھی ماحولیاتی تحفظ کا فہم پیدا کرنے کی بے حد ضرورت ہے۔ جس سے جو ممکن ہے وہ ماحولیاتی تحفظ کی کوششیں کریں یہ اپنے لئے ہی نہیں بلکہ ہم سب کے لئے آنے والی نسلوں کے لئے اور انسان کے وجود کے لئے بھی ضروری ہے۔ جس گھر میں درخت ہو وہ گھر ٹھنڈا، پرسکون اور فطرت کے قریب ہوتا ہے۔

آؤ درخت اگائیں (لگائیں)۔ ماحولیات کو خوبصورت بنائیں

قول زریں: سماج کی ترقی میں ماحولیاتی تحفظ سب سے زیادہ اہم ہے۔ درخت لگانا، درختوں کو مستثنیٰ لینے کے پروگرام کا اہتمام کرنا، قدرتی وسائل کے غلط استعمال کا تدارک، پلاسٹک کے استعمال کے خلاف تشہیر کرنا، کیمیاوی اشیاء کے استعمال کے خلاف لوگوں میں شعور بیدار کرنا، مٹی کو آلودگی، آبی آلودگی اور فضائی آلودگی سے متعلق گاؤں والوں کو آگاہ کرنا وغیرہ ماحولیاتی تحفظ کے لئے کئے جانے والے چند ایک ماحولیات ہیں۔

ماحولیات کا تحفظ۔۔۔۔۔ ہم سب کی ذمہ داری ہے۔

6۔ وقت انمول ہے

- I۔ اہم قدر : بچت
 II۔ ذیلی قدر : وقت کی قدر و قیمت جاننا، وقت کی پابندی کرنا
 III۔ مقاصد مطلوبہ نتائج:

اس بات سے واقف کروانا کہ ہمارا ہر کام زمانہ سے منسلک ہوتا ہے اور اس کام کو منصوبہ بند طریقے سے وقت مقررہ پر کرنا چاہئے۔

IV۔ تمہید

طلوع آفتاب، غروب آفتاب، طلوع ماہتاب، غروب ماہتاب، گرمی، بارش، سردی وغیرہ اس طرح ہر ایک کام کا ایک وقت مقرر ہوتا ہے۔ اس طرح فطرت بھی یہی تعلیم دیتی ہے کہ ہم بھی ہر کام کو مقررہ وقت پر انجام دیں۔
 وقت مقررہ پر اگر کام مکمل نہ ہو تو ہم بہت مشکل میں پھنس سکتے ہیں اور ہماری مشکلات سے دوسرے بھی متاثر ہونے کا امکان ہوتا ہے۔ کھانا پینا، کھیلنا، کودنا، سونا وغیرہ جیسے کام اگر وقت پر پابندی کے ساتھ عمل کئے جائیں تو ہم زیادہ کام کر سکتے ہیں۔ زیادہ سیکھنے، سکھانے اور ترقی کی راہ پر آگے بڑھنے کے زیادہ مواقع حاصل ہمیں ہوتے ہیں۔

V۔ موضوع

واقعہ-1:

وقت کی پابندی کرنے والوں میں سے مہاتما گاندھی ایک ہیں۔ ایک مرتبہ ایک جاپانی کسی اہم موضوع پر گفتگو کے لئے گاندھی جی سے تین منٹ کا وقت لیا۔ وہ جاپانی اپنی باری کے آنے پر گاندھی جی سے ملاقات کیا اور اپنے 3 منٹ محض رسمی گفتگو خیر خیرت وغیرہ میں صرف کردیئے۔ اصل موضوع پر گفتگو نہ کی۔ تب ہی گاندھی جی نے اس جاپانی سے کہا کہ ”آپ کو دیا گیا وقت ختم ہو گیا آپ جاسکتے ہیں“ یہی دراصل ”وقت کی قدر“ کرنا ہے۔

وقت کی پابندی۔ عمل آوری کے نکات

- 1۔ ایک آدھا گھنٹہ (30 منٹ) وقت متعین کرتے ہوئے انجام دیئے جانے والے کاموں کی فہرست تیار کر لیں۔ مثلاً پہلی ترجیح: آج انجام دیئے جانے والے کاموں کی فہرست، انجام دیئے جانے والے کام..... دوسری ترجیح: کل شام تک انجام دیئے جانے والے کام..... تیسری ترجیح: اسی ہفتہ تکمیل کرنا ہے..... چوتھی ترجیح: اسی ماہ میں تکمیل کرنا ہے.....
- 2۔ آج ہی انجام دیئے جانے والے کام میں بھی بہت اہمیت کے حامل کام کو پہلے ترجیح دیں۔ اور اسی دن کے کام مکمل کرنا۔
- 3۔ ایک ہفتہ میں مکمل کئے جانے والے کاموں کو بھی روزانہ تھوڑا مکمل کر لینا چاہئے۔ ترجیحی انداز میں کام کو مکمل کرنا چاہئے۔
- 4۔ کل کئے جانے والے کام کی فہرست آج رات کو ہی سونے سے قبل تیار کر لیں۔
- 5۔ آپ روزانہ کس وقت اچھا اور زیادہ کام کر سکتے ہیں طے کر لیں۔ یعنی صبح و شام یا رات کو وغیرہ۔
- 6۔ ہر کام کے لئے درکار وقت مختص کر لیں۔ کام کے درمیان اٹھ کر جانا، کھیلنا، آرام کرنا، کام کرتے وقت تھوڑا وقفہ دیں تو چاق و چوبند ہو کر دوبارہ وہ کام کر سکتے ہیں۔ پانی، چائے، کافی، دودھ وغیرہ پی سکتے ہیں۔ میوہ کھا سکتے ہیں۔
- 7۔ جو کام مکمل ہو گئے ہوں ان کو فہرست میں (x) نشان لگائیں۔ کام کی تکمیل ہمیں ایک نیا جوش دلاتی ہے۔ تسکین دلاتی ہے۔ حاصل کر لینے کی تشفی بخشی ہے۔
- 8۔ اگر نئے کام آجائیں تو انہیں موجودہ فہرست میں شامل کر لیں۔ دوسروں کی مدد کی ضرورت ہو تو لیں۔
- 9۔ ٹکنالوجی کا استعمال کرتے ہوئے فون، نیٹ، وغیرہ سے کام جلدی مکمل کئے جاسکتے ہیں۔
- 10۔ کھیل، چہل قدمی اور ٹی وی دیکھنے کے لیے کچھ وقت مختص کر لیں۔ اس کے ذریعہ ہم دوبارہ پر جوش انداز میں کام کر سکتے ہیں۔
- 11۔ روزانہ کم سے کم 8 تا 7 گھنٹے کی نیند ضروری ہے۔ کیونکہ اچھی نیند آپ کو صحت و تندرستی عطا کرتی ہے۔

12- وقت کی گنجائش سے زیادہ کام مختص کر کے ذہنی تناؤ میں مبتلا نہ ہوں۔

13- ہمارا وقت کہاں ضائع ہو رہا ہے اس کی شناخت کر کے فہرست تیار کر لیں اور ان چیزوں سے دور رہیں۔

واقعہ-2

ایک جماعت میں واجد اور فہیم نام کے دو لڑکے تھے۔ دونوں بہت ہوشیار تھے۔ لیکن واجد کو فہیم سے زیادہ نشانات حاصل ہوتے تھے۔ اور فہیم کو کم نشانات حاصل ہوتے ہیں۔ کیونکہ واجد وقت کی پابندی کرتا ہے۔ اپنے روزمرہ کے کام کو منصوبہ بند طریقے سے وقت کے مطابق کرتا ہے۔ وہ روزانہ صبح سویرے اٹھ کر ضروریات سے فارغ ہو کر وقت پر تیار ہوتا ہے۔ مدرسہ کو دعائیہ اجتماع میں حاضر ہوتا ہے۔ جماعت میں ٹیچر کے بتلائے ہوئے ہر موضوع اور ہر بات کو لکھ لیتا ہے۔ وقت پر ہوم ورک کر لیتا ہے۔ کام کو نالتا نہیں۔ اتوار کے دن چھٹی ہے کا تصور کرتے ہوئے خاموش نہیں رہتا بلکہ ہفتہ کے دن دیئے گئے ہوم ورک کو اس دن مکمل کر لیتا ہے۔ صرف پڑھنا نہیں بلکہ کھیلنا، کھانا، سنا، ٹی وی دیکھنا، سونا اور دیگر کام بھی وقت پر کرتا ہے۔ اسی لئے امتحانات کے وقت کسی پریشانی کے بغیر بے خوف، بغیر دباؤ کے امتحان لکھتا ہے۔ تمام اساتذہ واجد کی وقت کی پابندی جیسی صفت سے خوش ہوتے ہیں اور اسے سراہتے ہیں۔

فہیم کے معاملے میں جب دیکھیں تو وہ پڑھنا ضرور ہے مگر وقت کی پابندی نہیں کرتا۔ کوئی بھی کام وقت پر نہیں کرتا۔ ہر کام کو کل پر نالتا ہے۔ ہفتہ کا کام بھی اتوار تک ملتوی کرتا ہے۔ اس طرح کام کو نالے سے اگر اتوار کے دن کسی وجہ سے باہر جانا پڑے تو وہ کام پورا نہیں کر پاتا۔ پھر دوسرے دن ویسے ہی اسکول جاتا ہے، ہوم ورک نہ کرنے کی وجہ سے اساتذہ اس پر غصہ ہوتے ہیں۔ امتحانات کا وقت قریب آنے پر پڑھنا شروع کرتا ہے۔ دن رات بیٹھ کر پڑھتا ہے۔ تمام کام دوسرے دن پر نالتا ہے۔ جلد بازی میں پڑھنے سے جوابات صحیح طور پر یاد نہیں کرتا نتیجتاً امتحان صحیح طور پر لکھ نہیں پاتا۔

واقعہ-3

ریحان نامی لڑکا دسویں جماعت کے امتحان کی تیاری کر رہا تھا۔ امتحان سر پر آگئے ہیں۔ دوسرے دن 9:30 بجے امتحان کا وقت ہے۔ امتحان کل ہے! امتحان کے دن ہی امتحان سے متعلق تمام چیزیں لے کر آدھا گھنٹہ (30 منٹ) پہلے روانہ ہوتا ہے۔ درمیان میں آٹو نہ ملنے کی وجہ سے 5 منٹ پہلے امتحانی مرکز پر گیٹ بند ہوتے وقت پہنچتا ہے۔ حیران پریشان دوڑتے ہوئے اندر داخل ہوتا ہے۔ ذہنی تناؤ کے باعث سوالیہ پرچہ کو بغور نہ پڑھنے کی وجہ سے وقت پر سوالیہ پرچہ مکمل نہیں کر سکا۔

VI-الف: غور کرنا۔ رد عمل ظاہر کرنا

- 1- مندرجہ بالا واقعات کو پڑھنے کے بعد آپ نے کیا سبق حاصل کیا؟
- 2- وقت کی پابندی سے کیا مراد ہے؟
- 3- وقت کی پابندی کیوں کرنی چاہئے؟
- 4- وقت کی پابندی نہ کرنے کے نقصانات کیا ہیں؟ آپ کے تجربات کو بتلایئے؟
- 5- وقت کی پابندی کے فوائد کیا ہیں؟
- 6- وقت کا استفادہ کس طرح کرنا چاہئے؟

(ب) عمل کرنا۔ تجربات بیان کرنا

- 1- آپ ہفتہ کے دن سے لے کر پیر تک (تین دن) صبح جاگنے سے رات کو سونے تک کب اور کون کون سے روز آنہ کے کام عمل میں لاتے ہیں۔ لکھئے؟
- 2- آپ کہاں کہاں اور کب کب وقت کا ضیاع کر رہے ہیں؟ معلوم، وہ وقت آپ نے استفادہ کے لئے مصرف میں لانے کی کوشش کیجئے؟
- 3- آپ کے گھر میں کون کون وقت پر کام کرتے ہیں، نشاندہی کر کے لکھئے؟

ایسا کیجئے

آپ کون کونسے کام کن وقتوں میں انجام دیتے ہیں۔ فہرست تیار کیجئے۔ وہ کام وقت مقررہ پر ہوتا ہے یا نہیں۔ جائزہ

لیجئے۔

کونسا کام	کس وقت	آج	کل	پرسوں

☆ کیا جس دن کا کام اسی دن مکمل ہو رہا ہے؟

☆ آپ کون کونسے کام کو ٹال دیئے ہیں؟

☆ آپ مقرر کردہ کام کو مقررہ وقت میں نہ کرنے سے کیا ہوا؟
 ☆ کسی مقررہ کام کو اپنے مقررہ وقت میں تکمیل کرنے پر آپ کو کیسا محسوس ہوا؟
 ☆ آپ کو کس کام کے کرنے میں زیادہ وقت درکار ہے؟
 ☆ کیا آپ کی زندگی میں کبھی ایسے مواقع بھی آئے کہ آپ نے کل کا کام آج کیا ہو۔ ہاں تو کونسے؟

..... چاہیے.....

وقت کی پابندی سے مراد کسی مقررہ کام کو مقررہ وقت میں مکمل کر لینا۔ وقت کا تعین از خود کئے ہوں یا پھر کوئی دوسرے وقت کا تعین کئے ہوں گے۔ یا یہ کسی نظام کا ایک حصہ ہوگا۔ مثال کے طور پر ہم ریل کو جارہے ہیں۔ وقت کے پابند نہ ہونے سے خود اپنے قائم کردہ اصول اور اس سے متعلق نظم و ضبط کے درہم برہم ہونے کے علاوہ خود اپنا کام بھی متاثر ہوتا ہے۔ اسکول کو متعینہ وقت پر جانا، روزانہ اسی وقت پر نیند کے علاوہ خود اپنا کام بھی متاثر ہوتا ہے۔ اسکول کو متعینہ وقت پر جانا، روزانہ اسی وقت پر نیند سے بیدار ہونا ہے، ٹھان لے کر اٹھنا۔ روزمرہ کے کام پہلے سے متعین شدہ طریقے سے انجام دینا۔ کسی کو ملاقات کا وقت دے کر اسی وقت مقررہ پر اس سے ملنا اور اسی طرح تمام کاموں کی انجام دہی میں وقت کی پابندی لازمی واہمیت کا حام ہے۔ وقت کی پابندی کئے بغیر آدمی کوئی بڑا کارنامہ انجام نہیں دے سکتا۔ نہ صرف بڑا کارنامہ بلکہ نجی زندگی میں بھی اہم اپنی ذمہ داریوں کو ذاتی طور پر نہیں نبھاسکتے۔ وقت کی قدر کرنے والا شخص روزانہ 24 گھنٹے، مہینے میں 30 دن، سال کے 12 مہینے اس طرح اپنی زندگی کے شب و روز ایک منصوبہ بند انداز میں گزارتا ہے۔ ایک اصولی زندگی جیتا ہے۔ اچھے کام کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

اس طرح وقت کی بچت کرتے ہوئے کام انجام دیں تو اس کی تکمیل ہوتی ہے۔ مگر کریں گے، دیکھیں گے جیسا ٹال مٹول کریں تو وقت رکتا نہیں۔ حالات بدل جاتے ہیں، گذرا ہوا لمحہ لوٹ کر نہیں آتا۔ بگڑا ہوا کام اور زبان سے نکلی ہوئی بات واپس لینا ناممکن ہے۔

کس طرح ایک بھنورا بے خوف ہو کر اپنی جان جو کھم میں ڈالتا ہے۔ ایک اس کی داستان ہے۔ وہ بھنورا ایک کنول کے پھول سے اس کارس حاصل کر رہا تھا۔ اتنے میں شام ڈھلی، سورج کے غروب ہوتے ہی کنول کھل گیا۔ بھنورا اس میں پھنس گیا۔ وہ اس وقت ایسا محسوس کیا کہ بس..... اتنے میں میرا نقصان کیا ہے؟ یہ رات گذر جائے گی۔ اور سویرا ہو جائے گا۔ سورج نکلے گا۔ میں اڑ جاؤں گا۔ اس طرح قیاس آرائی کرتے وقت ایک ہاتھی جھیل میں اتر کر اس کنول کے پھول کو روند ڈالا۔

ڈاکٹر چندر شیکھر وینکٹ رامن ایک اجلاس سے خطاب کرنے کے لیے اٹھے۔ میسور ریاست کے بڑے عہدیداروں میں سے ایک اس اجلاس کے صدر مقرر کئے گئے تھے۔ جلسہ کا آغاز شام 6:00 بجے ہونا تھا۔ رامن 10 منٹ پہلے ہی جلسہ گاہ پہنچ گئے اور ڈانس پر جلوہ افروز ہو گئے۔ صدر کا پتہ نہیں۔ شام کے چھ بج گئے۔ منتظمین کے چہرے فق ہو گئے۔ رامن تھوڑی دیر انتظار کئے۔ اٹھ کر کھڑے ہوئے۔ ماتک کے سامنے جا کر اپنی تقریر شروع کی ”اپنے دیدار سے محروم رکھنے والے صدر جلسہ! کہتے ہوئے اپنے بازو کی خالی کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ ان کی تقریر کے دوران صدر جلسہ تشریف لائے۔ بغیر کچھ کہے کرسی صدارت پر بیٹھ گئے۔ ڈاکٹر رامن وقت کی پابندی کے معاملے میں بہت سخت تھے۔ وقت کی اہمیت کو جاننے والے شخص اور وقت کی پابندی پر عمل پیرا نہ ہونے والے شخص کی وجہ سے کبھی کبھی ہزاروں آدمیوں کا وقت برباد ہوتا ہے۔ ان تمام کے کام متاثر ہوتے ہیں۔ روپیہ گیا تو واپس آتا ہے۔ صحت بگڑے تو دوبارہ بنتی ہے۔ گھر آگن گیا تو پھر مل جائے گا۔ لیکن گذرا ہوا لمحہ دوبارہ نہیں آئے گا۔ وقت بہت قیمتی ہے۔ زندگی اس سے بھی زیادہ قیمتی ہے۔ ذاتی مفاد کی فکر نہ کریں۔ زندگی کا ایک مقصد تعین کر کے مثبت رجحان کے بعد ہی وقت کی پابندی بہتر طور پر عمل میں آتی ہے۔

تبدیلی وقت کا تقاضہ ہے۔ It is time for Change

کبیر کا دوحہ:

جو کل کرنی ہے وہ آج کر لے

جو آج کرنی ہے وہ اب کر لے

کام کو ٹالنا، جس وقت کا کام تبھی نہ کرنا، کاہلی اور سستی کی نشانی ہے یہ جہاں ہوتی ہے وہاں ترقی نہیں ہوتی۔

قول زرین:

زندگی میں ہر کام کا ایک وقت مقرر ہوتا ہے۔ صحیح وقت پر صحیح کام کرنے سے ہی

انسان کو پرامن زندگی حاصل ہوتی ہے۔

7۔ اچھی غذائی عادتیں

- I۔ اہم قدر : صحت کی اہمیت
- II۔ ذیلی قدر : اچھی صحت کے لئے اچھی غذائی عادتیں ضروری ہیں اس کے متعلق جانیں گے۔
- III۔ مقاصد مطلوبہ نتائج: طلباء اچھی صحت کے لیے درکار اچھی غذائی عادتیں معلوم کر کے ان پر عمل آوری کرنا۔

IV۔ تمہید:

بچو! اچھی صحت کے لیے اچھی غذا لینا بہت ضروری ہے۔ اتنا ہی نہیں کیسی غذا لینا، کس طرح لینا وغیرہ بھی بہت اہم امور ہیں۔ انسان کی بیماری کی وجہ اس کی غذائی عادت ہی ہوتی ہے۔ اس لئے اچھی غذائی عادتیں اپنانی چاہئے۔ وہ کیسے، آئیے ہم جانیں گے۔

V۔ موضوع

واقعہ۔ 1:

رحیم گاؤں کو روانہ ہوا۔ راستہ میں کھانے کے لئے اس کی ماں کچھ کھانے کی اشیاء دیں۔ رحیم ریل گاڑی میں بیٹھ گیا۔ گاڑی چلتے ہی کئی ایک کھانے کی چیزیں فروخت کے لئے آئیں۔ رحیم وہ تمام چیزیں خرید کر کھالیا۔ اس طرح یہاں وہاں جہاں دل چاہے، وہاں خرید کر کھانے کی عادت ہو گئی۔ اس کے بعد اس کو پیٹ کا درد ہوا۔ ڈاکٹر کے پاس جانے سے معلوم ہوا کہ اسے ’السر‘ ہے۔ بنا وقت مرضی کے مطابق، تیل میں تلی ہوئی نمک، مرچ مصالحہ کی چیزیں کھانے سے ہی ’السر‘ ہوا ہے۔ ڈاکٹر نے کہا مرچی، مصالحہ کی چیزوں کو چھونا بھی نہیں۔ اس طرح اور چند سال گزرنے پر آپریشن کرنا ضروری ہو جائے گا۔

واقعہ-2

ریحان گھر کے تمام لوگوں کے ساتھ مل کر نمائش دیکھنے گیا۔ وہاں پر اس کی پسندیدہ مرچھی، وڈا وغیرہ جیسی چیزیں خرید کر کھایا۔ رات بہت دیر گئے گھر واپس ہونا اور کھانا کھا کر سو گیا۔ دوسرے دن اسکول جانے سے پہلے ناشتہ کیا۔ راستہ میں خرید کر کھانے کے لئے ابا نے پیسے دیئے۔ اسکول کو جاتے ہوئے ریحان نے راستہ میں موجود دوکان سے ناشتہ سے متعلق چیزیں خریدیں اور کھائیں اور تھوڑا انٹرویل میں کھایا۔ دوپہر کے وقفہ میں کھانا کھایا۔ تھوڑی دیر کے بعد اسے قے ہو گئی۔ جس کی وجہ سے کمزوری ہو گئی۔ ڈاکٹر کے پاس گیا۔

واقعہ-3

بیٹے.....! کھانا آہستہ صحیح طریقہ چبا کر سے کھاؤ وہ ہضم ہوگی۔ ارباز کی ماں نے کہا۔ ارباز اپنے دوست کے ہاں جانے کی جلدی میں بہت تیزی سے کھانے لگا۔ ایک طرف گلاس میں پانی، ایک نوالہ کھانا اور پھر تھوڑا سا پانی پینا۔ اس جلد بازی میں ترکاری کا ایک ٹکڑا گلے میں پھنس گئی۔ وہ باہر نہ ہی آسکتی، نہ ہی منہ میں اندر جاسکتی ہے۔ ارباز زور زور سے کھانسنے لگا۔ اس کی آنکھیں پلٹ پڑیں۔ ارباز کی ماں پریشان ہو گئی۔

واقعہ-4

سراج ہمیشہ پیٹ کے درد کی شکایت میں مبتلا تھا۔ اچھی غذا لینے کے بعد بھی اس کے قد میں کوئی اضافہ نہیں ہوا۔ پست قد اور کمزور رہتا تھا۔ ڈاکٹر کے پاس لے جا کر طبی معائنہ کروایا گیا۔ تشخیص کے بعد اس کے پیٹ میں گرم (کیڑے) پائے گئے۔ روزانہ مٹی میں کھیلنا پھر بغیر صابن سے ہاتھ دھوئے کھانا کھانے سے یہ کیڑے پیٹ میں پہنچ گئے۔ سراج جو کچھ بھی کھا رہا تھا وہ سب پیٹ میں کیڑے کھا رہے ہیں۔ ڈاکٹر نے کہا۔ حوائج ضرور یہ کے بعد بھی صابن سے ہاتھ دھونا چاہئے۔ روایتی پکوان جیسے روٹیاں، گلگے، بیسن کے لڈو، تل کے لڈو کھالیں۔ یہ ایک بہترین مقوی غذا ہے۔ اور یہ قد بڑھانے، صحت مند رہنے کے لئے معاون ہیں۔

VI-(الف) خور کرنا۔ رد عمل ظاہر کرنا

1۔ درج بالا واقعات میں بتائیے کہ کیا گذرا؟ اس طرح کے واقعات وقوع پذیر ہونے کی کیا وجوہات ہیں؟



- 2- اچھی غذائی عادتوں سے آپ کیا مراد لیتے ہیں؟
- 3- آپ کے خیال میں اچھی صحت کے لئے کونسی غذا کس طرح لی جائے؟
- 4- غذا کے استعمال میں کونسی احتیاطی تدابیر اختیار کی جانی چاہئے۔
- 5- آپ کونسی غذائی اشیاء کا استعمال کرتے ہیں؟ اور کونسی ڈھکی پسندیدہ ہیں؟
- 6- آپ کی کھائی ہوئی غذا سے کیا کبھی کوئی پریشانی ہوئی؟ وہ کونسی؟
- 7- کیا بازار میں غذائی اشیاء استعمال کرنا صحیح ہے یا غلط؟ کیوں؟

(ب) - عمل آوری - تجربات بیان کرنا۔

- 1- غذا باقاعدگی سے لیجئے۔ چند دنوں کے بعد آپ کے جسم میں کس طرح کی تبدیلی آتی ہے، بتلایئے؟
- 2- صحت کو نقصان پہنچانے والی غذاؤں کے بارے میں معلوم کر کے ان سے دور رہئے۔ دوسروں کو بتلایئے۔ اس کے بعد آپ کے تجربات بتلایئے۔

3- طالب علم کی جسمانی ترقی کا ہفتہ واری نظام الاوقات: (مکمل کیا نہیں کیا)

سلسلہ نشان	موضوعات	اتوار	پیر	منگل	چہار شنبہ	جمعرات	جمعہ	ہفتہ
1	صبح نیند سے بیدار ہوتے ہی 1.25 لیٹر دن بھر میں 5 لیٹر پانی پیا ہوں۔							
2	روزانہ اٹھتے ہی ضروریات سے فارغ ہوتا ہوں							
3	فجر کی نماز پڑھا ہوں تلاوت قرآن کیا ہوں							
4	مقوی غذا: پھل، ترکاریاں، دالیں، دودھ، دہی، کوپلیں پھوٹے ہوئے، بیج							
5	ہر روز 6 سے 8 گھنٹے سوتا ہوں							



صحت کے لئے غذا ضروری ہے۔ اہمیت اس بات کی ہے کہ کس قسم کی غذا درکار ہے۔ اس کو کس طرح استعمال کیا جائے؟ کئی لوگ ایک مقررہ وقت کے بغیر جب چاہے جب دل کھاتے رہتے ہیں۔ اسی طرح مزے دار ہوتی ضرورت سے زیادہ کھا لیتے ہیں۔ جس کی وجہ سے معدہ میں کئی تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں۔ ہاضمہ نہیں ہوگا۔ متلی جیسی کیفیت ہوتی ہے۔ پیٹ پھولا ہوا رہتا ہے۔ جسم کو جتنی ضرورت ہو اس سے زیادہ کھانے سے صحت خراب ہوتی ہے۔ روزانہ صبح ناشتہ، دوپہر میں کھانا، شام کا ناشتہ، رات کو معتدل کھانا اچھی عادت ہے۔

غذا جو ہم استعمال کرتے ہیں وہ ہمارے جسم پر گہرا اثر ڈالتی ہے۔ سبزیاں، ترکاریاں، تازہ پھل، کونپلیس نکلی ہوئی بیج، دودھ وغیرہ جیسی ہلکی پھلکی غذائیں لیں تو جلد ہضم ہو جاتی ہیں۔ تشفی اور شکر گزاری کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

مصالحہ جات اور تیکھی وتلی ہوئی غذائیں لیں تو غصہ، چڑچڑاپن، جوش، حسد وغیرہ جیسے جذبات ابھرتے ہیں۔ گوشت اکثر لوگوں کی پسندیدہ غذا ہوتی ہے۔ اس کو ہضم کرنے کے لئے زیادہ وقت لگتا ہے۔ اس لئے قوت و پھرتی کے بدلہ سستی، کاہلی پیدا ہوتی ہے۔ اتنا ہی نہیں اچار، ٹھنڈی غذائیں، آئس کریم، فریج میں رکھی ہوئی غذائیں کھانے سے بھی کاہلی، سستی پیدا ہوتی ہے۔ اکثر بچے، بزرگ لوگ ٹی وی دیکھتے ہوئے کھاتے ہیں، جس سے کیا کھا رہے ہیں، کتنا کھا رہے ہیں نہیں معلوم ہوتا۔ وقت کے لحاظ سے بھی نہیں کھاتے۔ بہت دیر تک جاگتے رہنے سے بھی جسمانی صحت پر اثر پڑتا ہے۔

اس طرح غذائی اصول، عادتیں نہ اپنانے والے لوگ بہت جلد بیماریوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ کھاتے وقت باتیں کرنا، صحیح نہ چبانہ وغیرہ سے ڈکاریں اور پیٹ پھولنے کی شکایت ہوتی ہے۔ جلدی کھانا کوئی مہارت نہیں ہے، آہستہ چبا کر کھانا چاہئے۔ زیادہ لوگ تر وقت کی کمی اور دیگر وجوہات کی بناء پر سے جلدی جلدی کھا لیتے ہیں۔ جس سے انہیں یہ احساس نہیں ہوتا ہے کہ پیٹ نہیں بھرا ہے اور مزید کھانے لگتے ہیں۔

شادیوں اور دیگر تقریبات میں کھڑے ہو کر کھانے کا نظم (Buff System) اہتمام کرتے ہیں۔ جس کی وجہ سے غذا سیدھے معدے میں پہنچتی ہے اور معدے پر زائد بوجھ پڑتا ہے۔ اس سے اس طرح کتنا بھی کھائیں ہمیں طاقت نہیں ملتی بلکہ کمزوری ہوتی ہے اور یعنی سانس پھولتی ہے۔ ہماری تہذیب میں نیچے بیٹھ کر کھانے کا رواج ہے۔ بیٹھ کر کھانے سے غذا تھوڑی دیر پیٹ میں ٹہر کر آہستہ آہستہ معدہ میں پہنچتی ہے اور ہضم ہوتی ہے۔ اسی لئے کھیتوں میں کام

کرنے والے کھانے کے فوراً بعد ہی دوبارہ کام کا آغاز کرتے ہیں۔ جب کہ ہم آرام چاہتے ہیں۔
ہمیں سب کچھ معلوم ہے سمجھتے ہیں لیکن کھانا کھانے کے آداب سے ہم واقف نہیں ہوتے۔

﴿اچھی غذائی عادتیں﴾

☆ جلد ہضم ہونے والی غذائیں کھانی چاہئے۔

☆ کم کھانا چاہئے۔

☆ وقت پر کھانا چاہئے۔

☆ کافی، چائے جیسے مشروب وقت بے وقت نہیں پینا چاہئے۔

☆ اجناس، تازہ سبزیاں، ترکاریاں، پھل وغیرہ کھانا چاہئے۔

☆ چاکلیٹ بسکٹ وغیرہ نہ لیں۔

☆ ایک ساتھ حد سے زیادہ پیٹ بھر نہیں کھانا چاہئے۔

☆ کھانے سے پہلے ہاتھ دھولینا۔ ابھی دھویا ہوں نہیں سمجھنا چاہئے۔ بلکہ پھر ایک بار ہاتھ دھولیں۔

☆ زیادہ پروٹین والی غذائیں دودھ، دالیں وغیرہ کھائیں۔

☆ رات کے کھانے اور سونے کے درمیان کم از کم تین گھنٹے کا وقفہ ہونا چاہئے۔ رات میں بعد مغرب اور عشاء کے

درمیان کھالینا چاہئے۔ اس کے بعد غذا کے ہضم ہونے کے لئے زیادہ وقت ملتا ہے اور اس سے ہضمی نظام بہت زیادہ
دنوں تک بہتر انداز میں کام کرتا ہے۔

ہماری غذائی عادتوں میں ہم تبدیلی لا کر جسمانی صحت کے لئے موزوں غذا کو استعمال کر کے صحت مندرہ سکتے ہیں۔

پھرتی اور جوش کے ساتھ ساتھ کھیل کود اور دیگر کاموں میں بھی سبقت لے جاتے ہیں۔ قدیم زمانے میں ہمارے بزرگ

اچھی عادتوں کے حامل ہونے کی وجہ سے زیادہ عمر تک بغیر کسی خرابی صحت کے زندہ رہے ہیں۔ یہ بات ہمیں جانتی چاہئے۔

﴿اس طرح کیجئے﴾

☆ روزانہ 5 لیٹر پانی پیجئے۔ نیند سے بیدار ہوتے ہی 1.25 لیٹر پانی پیجئے۔ اس سے آسانی سے ہم ضرورت سے فارغ ہو سکتے ہیں۔ جس میں حرارت، گیس اور ترشے متوازن ہوتے ہیں۔ آنتیں صاف ہوتی ہیں۔ ہر وقت ناشتہ یا کھانے سے 20 منٹ پہلے سے لے کر کھانے کے 2 گھنٹے تک پانی نہ پیئیں۔ کھاتے وقت پانی نہیں پینا چاہئے۔ اس طرح کرنے سے ہضمی عمل صحیح طور پر ہوتا ہے۔ اس کے بعد صحت مندرہ سکتے ہیں۔

☆ موزوں غذا سے جسم صحت مندر رہتا ہے۔ روزانہ آپ مقوی غذا استعمال کریں۔ وقت پر کھانا چاہئے۔ کھاتے وقت غذا کو منہ میں اچھا چبائیں۔ رات کے کھانے اور سونے کے درمیان کم از کم 3 گھنٹے کا وقفہ ہونا چاہئے۔ اس کا دھیان رہے۔

☆ اچھی نیند جسمانی اعضاء اور دماغ کو سکون پہنچاتی ہیں۔ روزانہ 6 سے 8 گھنٹے نیند ضروری ہے۔ رات میں جلدی سو کر صبح جلد اٹھنا چاہئے۔

☆ روزانہ ورزش کرنا چاہئے۔ ورزش جسم کو صحت مندر رکھتی ہے۔

8۔ مہمان نوازی

- I۔ اہم قدر : تہذیب و روایات
 II۔ ذیلی قدر : مہمان نوازی۔ خدا کی خوشنودی
 III۔ مقاصد مطلوبہ نتائج:

مہمان نوازی کو خدا کی خوشنودی سمجھنا، مہمان کے ساتھ محبت، اپنائیت، احترام و مروت کے ساتھ پیش آنا۔
 ماں سے محبت، باپ سے محبت، استاذ سے محبت اور مہمان کے ساتھ محبت سے پیش آنا۔

IV۔ ہندوستانی روایات کے مطابق، ماں باپ اور استاد کے بعد احترام کے معاملہ میں مہمان کا مقام آتا ہے۔ اسی لئے مہمان کی خاطر و مدارت و مہمان نوازی کو خدا کی خوشنودی کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔ خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ہم بہت سے کام کرتے ہیں۔ جیسے کلمہ طیبہ کا اقرار کرنا، پانچ وقت نماز پڑھنا، روزہ رکھنا، زکوٰۃ دینا اور حج کرنا وغیرہ۔ یہ سب حقوق اللہ کہلاتے ہیں۔ ان کے علاوہ حقوق العباد بھی ہیں جن سے اللہ بہت خوش ہوتا ہے۔ یتیموں، یتیموں، غریبوں، عورتوں اور بچوں کے ساتھ صلہ رحمی سے پیش آنا، پڑوسیوں کے کام آنا اور مہمان نوازی وغیرہ چند ایک حقوق العباد ہیں جن کے ادا کرنے سے اللہ ہم سے راضی ہو جاتا ہے۔ مہمان نوازی کی اہمیت احادیث نبوی و صحابہ کے اعمال کے علاوہ قرآن پاک سے بھی ثابت ہے۔

بچو! آپ کے خیال میں مہمان کون ہیں؟

☆ بتائیے مہمان کن کن موقعوں پر آپ کے گھر آتے ہیں یا آئے ہیں؟

☆ مہمان نوازی میں خدا کی خوشنودی ہے اس سے کیا مراد ہے؟

☆ مہمان نوازی کس طرح کی جانی چاہئے، مہمان کی خاطر و مدارت کس طرح ہونی چاہئے۔ ان امور پر روشنی ڈالنے کے

لئے مندرجہ ذیل واقعات سنئے۔

واقعہ-1:

ایک دفعہ کا واقعہ ہے حضرت محمدؐ کے پاس ایک صاحب تشریف لائے۔ حضورؐ نے صحابہ سے دریافت کیا کہ کون اس رات اس شخص کو کھانا کھلائے گا۔ صحابہ ایک دوسرے کا منہ دیکھتے رہ گئے کیوں کہ ان میں سے کسی کے پاس کھانے کیلئے کچھ بھی نہیں تھا۔ تب ہی ثابت بن قیس انصاری نے ہمت کی اور آگے بڑھ کر مہمان کو اپنے ساتھ لیجانے کی پیشکش کی۔ مہمان کو ساتھ لئے گھر آ کر انہوں نے بیوی سے دریافت کیا کہ کھانے کے لئے گھر میں کیا ہے۔ بیوی نے کہا کہ ہم دونوں کے لئے تو کچھ نہیں مگر اتنا کھانا ضرور ہے کہ دو بچے بڑی مشکل سے کھا سکتے ہیں۔ ثابت بن قیس انصاری نے بیوی سے کہا کہ دو بچوں کو کسی طرح بہلا کر سلا دے اور جو کچھ کھانا ہے وہ مہمان کو پیش کر دے۔ جب خیال آیا کہ مہمان کے ساتھ انہیں بھی کھانا ہوگا تو انہوں نے بیوی سے کہا کہ وہ کھاتے وقت چراغ کو درست کرنے کے بہانے بجھادیں۔ بیوی نے ویسا ہی کیا جیسے شوہر نے ان سے کہا۔ اندھیرے میں ان صحابی نے مہمان کو یہ تاثر دیا کہ وہ بھی ان کے ساتھ کھانا کھا رہے ہیں اور مہمان نے پیٹ بھر کھانا کھایا۔

جانتے ہو بچو! حضرت ثابت بن قیس کا یہ عمل خدا کو اتنا پسند آیا کہ دوسرے دن صبح جب وہ آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے یہ خوش خبری دی کہ ان کی مہمان نوازی پر اللہ نے یہ آیات نازل فرمائی۔

آیت ترجمہ: ”اور ترجیح دیتے ہیں اپنی جانوں پر اگر چہ ان پر فاقہ ہو“۔

پارہ 28 رکوع 4 آیت نمبر 9

واقعہ-2

مہمان نوازی کے معاملے میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ بہت مشہور ہیں۔ ہر دن وہ کسی نہ کسی مہمان کے ساتھ کھانا کھایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ تو یوں ہوا کہ لگا تار تین دن تک ان کے پاس کوئی مہمان نہیں آیا تو انہوں نے ان تین دن میں فاقہ کیا۔ تین دن کے بعد نبی کریم ﷺ نے حضرت علی کو یہ خوش خبری دی کہ اللہ ان سے راضی ہو گیا ہے۔

واقعہ-3

جوس مجیکا جنوبی امریکہ کے ایک ملک کے سابق صدر ہیں۔ یہ بہت ہی سادگی پسند انسان ہیں۔ اپنے ہی کھیت میں انہوں نے اپنی رہائش گاہ بنا رکھی ہے۔ انہوں نے اپنی جائیداد کا کچھ حصہ غریبوں میں تقسیم کر دیا اور اپنے لئے اتنا ہی رکھ چھوڑا

جتنا ان کی ضروریات کی تکمیل کے لئے کافی تھا۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ گھر آنے والے بھوکے لوگوں کو کھانا کھلانا ہی سچی مہمان نوازی ہے۔ ان کے خیال میں بے جا صرف کرنے والا مہذب سماج ہی دنیا و ماحولیات کے لئے ایک بڑا خطرہ ہے۔ ان کے گھر جو بھی آتا ہے اسے وہ اپنے ہی کھیت میں پیدا کئے اناج کا کھانا کھلا کر مہمان کے چہرے سے ٹپکنے والی خوشی دیکھ کر خود مسرور ہو جاتے تھے۔ مہمان نوازی کسی بھوکے شخص کی بھوک مٹانا ہی نہیں بلکہ اس کی بہتر سے بہتر خاطر و مدارت ہے۔

VI۔ (الف) سوچنا۔ رد عمل کا اظہار کرنا

- 1۔ بتائیے کہ مہمان کی خاطر و مدارت (مہمان نوازی) کس طرح ہونی چاہئے؟ مہمان نوازی کیوں ہونی چاہئے؟
- 2۔ ”مہمان نوازی میں خدا کی خوشنودی ہے“ کیا ایسا خیال کرنا درست ہے؟ کیوں؟
- 3۔ آپ کے گھر آئے ہوئے مہمان کی خاطر داری آپ کس طرح کریں گے؟
- 4۔ کیا حضرت ابو ایوبؓ کے عمل سے آپ اتفاق کرتے ہیں؟ کیا کبھی کسی نے اپنے بچوں کو بھوکا رکھ کر آپ کو کھانا کھلایا۔
- 5۔ ہم کسی کے گھر مہمان ہوں اور میزبان ہمارے ساتھ روکھا برتاؤ کرے تو ہمیں کیسے محسوس ہوگا۔
- 6۔ مہمان کو خدا کا سفیر سمجھنے والی ان ہستیوں کے بارے میں بتائیے جنہیں آپ جانتے ہیں؟
- 7۔ دور حاضر میں مہمان کی خاطر و مدارت کس طرح ہو رہی ہے؟ کیا یہ طریقہ صحیح ہے؟ کیسے؟ سمجھائیے؟

(پ) عمل کرنا۔ تجربات بیان کرنا

- 1۔ آپ کے گھر آئے مہمان کی آپ مہمان نوازی کیجئے اور بیان کیجئے کہ آپ نے کیسے کیا۔
- 2۔ مہمان نوازی کے دوران آپ کے تاثرات کیا تھے یا آپ نے کیسا محسوس کیا؟

جانینیے

ہمارے سماج میں مہمان نوازی کو خاندانی روایت تصور کیا جاتا ہے۔ گھر آئے مہمان کو خدا کی رحمت سمجھتے ہوئے ان کا تہہ دل سے استقبال کرنا، ان کے ساتھ حسن سلوک کرتے ہوئے انہیں خوش کرنا ہی سب سے بڑا فرض ہے۔ قرآن میں اس کی وعید آئی ہے۔ حدیث سے یہ ثابت ہے اور بہت سے صحابہ، علماء و اکابرین نے اس پر عمل کیا ہے۔ غرض مذہب اسلام میں مہمان کو اللہ کی رحمت سمجھا جاتا ہے۔ معاشی و مالی دباؤ سے دوچار آج کے اس جدید سماج میں بھی مہمان نوازی کو ایک عمدہ عادت سمجھا جاتا ہے۔ اس کی ہمیں عادت بنالینی چاہئے۔ ماہرین نفسیات کا خیال ہے کہ مہمان کے گھر آنے سے ہماری تنہائی ختم ہو جاتی ہے۔ زہنی دباؤ سے کچھ دیر کے لئے چھٹکارا ملتا ہے اور زندگی کا سفر سہل ہو جاتا ہے۔ حالات حاضرہ کے پیش نظر آج کے نوجوانوں کو ایک طاقتور سماج کے طور پر ابھرنا چاہئے اور اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ تشدد، نفرت، ڈرو، خوف، نکالیف و کمزوریوں پر قابو پاتے ہوئے ایک ہو جائیں۔ ایک دوسرے کو مدعو کریں۔ ایک دوسرے کی مہمان نوازی کریں۔ آپس میں بات کریں اور ایک دوسرے کی قدر کریں۔

آپ کے پاس آنے والا آپ کے مقابلے حیثیت میں چاہے کتنا ہی کم کیوں نہ ہو اس کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کرو جیسا تم حیثیت و مقام میں اپنے سے بڑے کے ساتھ کرتے ہو۔ بائبل کہتی ہے کہ پتہ نہیں کب اور کس شکل میں تمہارے گھر کوئی فرشتہ آجائے۔ اپنے گھر مہمان بن کر آنے والے کی معاشی، سماجی، سیاسی و علمی حیثیت نہیں دیکھی جانی چاہئے بلکہ ہمیں چاہئے کہ ہم اپنے آپ کو اس کی جگہ رکھ کر سوچیں کہ ہم دوسرے سے کیا چاہتے ہیں؟ کیسی توقیر چاہتے ہیں؟ ویسی ہی عزت اسے بھی دیں۔ حتیٰ کہ دشمن بھی اپنے گھر آئے تو اس کی بھی عزت کرنی چاہئے۔ اسلام بھی یہی تعلیم دیتا ہے۔ درخت اس شخص کو بھی سایہ دیتا ہے جو اسے کانٹے کے لئے آتا ہے۔ ہم یہ نہ سوچیں کہ آنے والا کس نیت سے ہمارے پاس آیا ہے یا اس سے ہمیں کیا فائدہ ہوگا۔ یا پھر یہ کہ جب ہم اس کے ہاں ہو آئے تھے تب اس نے ہمارے ساتھ کیا سلوک کیا تھا۔ ہم اگر اس قسم کی تول مول والی سوچ سے پرہیز کرتے ہوئے ہر آنے والے کے ساتھ محبت و اپنائیت سے پیش آتے ہوئے پانی بھی پیش کریں تو یہ بہت ہی اچھی بات ہے۔ یہی ہماری ذمہ داری بھی ہے۔

تھوڑا بھی ہو آپس میں بانٹ لینا، محبت سے بھر افس، اپنائیت والی مسکراہٹ، مہربان..... اپنے ساتھیوں کے لیے ردعمل کا اظہار جیسی خصلتیں فطری ہوتی ہیں اور یہ خصلتیں ہم سبھی میں پائی جاتی ہیں چاہے ہم مہمان بن کر کہیں جائیں یا میزبان بن کر کسی کو دعوت دیں۔ لیکن ہم اچانک غیر ارادی طور پر اور بغیر کیس جدوجہد کے ان خصلتوں کے عادی نہیں

ہوئے۔ کسی فرد کے سطح پر یا خدائی سطح پر یا سماجی سطح پر یہ خصلتیں نسل در نسل منتقل ہوتے ہوئے بچپن ہی سے پختی ہیں۔ کسی انسان کے اخلاق کا اندازہ اس کی مہمان نوازی سے لگایا جاسکتا ہے۔ محبت و اپنائیت سے کھلایا گیا کھانا سب سے اچھا کھانا ہوتا ہے۔ ہمیں پوری عقیدت کے ساتھ یہ تسلیم کرنا چاہئے کہ مہمان نوازی خدا کی خوشنودی ہے۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق تین دن تک کسی میزبان کے گھر رہنا، کھانا پینا مہمان کا حق ہے۔ تین دن تک کوئی میزبان مہمان کے قیام کی وجہ سے بھی نہیں پوچھ سکتا۔ اگر وہ اپنے گھر میں مہمان کے کھانے کا انتظام نہیں کر سکتا تو اس کو چاہئے کہ وہ اپنے خرچ پر وہ مہمان کو گھر سے باہر کھانا کھلائے۔ مگر یہ سلسلہ صرف تین دن تک ہی جاری رہے گا۔ ورنہ چند ایسے بے حیا و بے غیرت بھی ہوتے ہیں جو ایک بار کسی کے گھر اپنا ڈیرہ ڈال لیں تو جانے کا نام ہی نہیں لیتے۔ ایسے ہی ایک مہمان کا واقعہ ملاحظہ کیجئے۔

کسی کاؤں میں ایک بہت ہی سیدھا سادہ تاجر ہا کرتا تھا۔ وہ اتنا مہمان نواز تھا کہ ہر گھر آنے والے ہر شخص کو بھر پیٹ کھلاتا تھا اور اس کی بے انتہاء آؤ بھگت کرتا تھا۔ اس کی بیوی بھی اتنی ہی مہمان نواز تھی۔ ان میاں بیوی کی اس سادہ لوحی کا فائدہ اٹھا کر ایک مہمان نے ان کے گھر میں اپنا ٹھکانا بنا لیا تھا۔ چند دنوں تک تو دونوں میاں بیوی نے اس مہمان کی خاطر و مدارت کی لیکن بالآخر ان کے صبر کا پیمانہ بھی ایک دن بھر گیا۔ انہوں نے محسوس کیا کہ ان کا مہمان بے غیرت ہے اور یہ کہ ان کی رواداری کا بے جا فائدہ اٹھا رہا ہے۔ بڑی سوچ و فکر کے بعد دونوں نے مل کر ایک منصوبہ بنایا۔

دوسرے دن جب مہمان کھانے کے وقت حاضر ہوا تو بیوی نے شوہر کو گالیاں دینی شروع کی تو شوہر اسے سینٹے لگا۔ دونوں کو جھگڑنا دیکھ کر مہمان وہاں سے کھسک گیا۔ اپنے منصوبہ کی کامیابی پر دونوں بہت خوش ہوئے۔ بیوی نے شوہر سے کہا کہ اس کھیل میں اس نے سچ میں اسے گالیاں دیں جبکہ وہ نالک کر رہی تھی۔ شوہر نے کہا کہ میں نے بھی تجھ پر ہاتھ اٹھایا۔ کتنا اچھا نالک کیا میں نے! میاں بیوی ابھی خوش ہوئی رہے تھے کہ وہ مہمان پھر ٹپک پڑا اور کہنے لگا ”میں بھی کہاں سچ مچ گیا تھا۔ میں نے بھی تو نالک کیا تھا۔ بے چارے ان میاں بیوی کی لا چاری و بے چاری کو دیکھتے ہوئے ایک پڑوسی بزرگ نے انہیں ترکیب بتائی۔ اس پلان کے مطابق میاں بیوی نے گھر پر تالا لگایا اور کہیں چلے گئے۔ اس طرح انہوں نے اس جبری مہمان سے چھٹکارا پایا۔ لہذا یہ بڑے نازک رشتے ہوتے ہیں۔ جہاں ہم خود کو تکلیف سے بچاتے ہیں وہیں ہمیں دوسروں کو بھی تکلیف نہیں پہنچانی چاہئے۔ تب ہی ہم اختلاف رائے اور ایک دوسرے سے بیزاری سے بچ سکتے ہیں۔ دور حاضر میں چند لوگ ایسے بھی ہیں جو بلا جھجک پوچھتے ہیں کہ ہمارے ہاں آئیں تو کیا دوگے! ہمیں ایک طرف ایسے لوگوں سے بچ کر رہنا چاہیے تو دوسری طرف ہمیں مہمان نوازی کے آداب بھی نبھانے ہوں گے۔ تب ہی ہمارے رشتے مضبوط ہوں گے اور مہمانوں کی صحیح خاطر مدارت کر سکتے ہیں۔

قول زریں: امیر کے گھر دعوت پر جائیں مگر غریب کے گھر بن بلائے چلے جائیں

9۔ پانی کا تحفظ کریں

- I. اہم قدر : ماحولیات کا تحفظ
- II. ذیلی قدر : پانی کے وسائل۔ آبی آلودگی کی روک تھام کرنا
- III. مقاصد مطلوبہ نتائج:

- ☆ وسائل آپ کے تحفظ کے تعلق سے معلومات حاصل کریں گے۔
- ☆ پانی کی اہمیت کو سمجھیں گے
- ☆ پانی کیسے آلودہ ہوتا معلومات حاصل کریں گے۔
- ☆ آبی آلودگی کی روک تھام کا فہم حاصل کریں گے۔
- ☆ پانی کی بچت کے اصول پر عمل کریں گے۔

IV. تمہید:

پانی پر جاندار کی زندگی کا انحصار ہے۔ پانی انسان کی بنیادی ضرورت ہے۔ پانی ہم محض اپنی پیاس بجھانے کے لئے ہی نہیں استعمال کرتے ہیں بلکہ اس میں شفا بھی ہے۔ آپ نے سنا ہوگا کہ مریضوں کو آب زم زم دیا جاتا ہے۔ پانی کی اس اہمیت کی وجہ سے ہی اسے آب حیات بھی کہتے ہیں۔ لاکھوں سال قبل پانی میں زندگی کے آثار نظر آئے۔ زمین کا تین چوتھائی حصہ پانی سے بھرا ہے۔ ندیوں کے کنارے مختلف انسانی تہذیبیں پھلی پھولیں۔

پانی کا اہم وسیلہ بارش ہے۔ کنویں، تالاب، ندیاں اور سمندر تمام بارش پر ہی انحصار کرتے ہیں۔ بارش سال بھر دستیاب ہونے والے پانی کی بنیاد ہے۔ مگر اتنی اہمیت کی حامل بارش جب برستی ہے تو بہت کم پانی زمین میں جذب ہوتا ہے۔ زیادہ تر پانی بہہ کر سمندر میں جا ملتا ہے۔ بڑھتی آبادی کے ساتھ ساتھ زیر زمین پانی کی ضرورت بھی دن بدن بڑھتے جا رہی ہے۔ لہذا بارش کے پانی کو بچا کر اسے زیر زمین میں پانی میں بدلنا نہایت ہی ضروری ہے۔ بارش کے موسم میں بارش

کے پانی کو بڑے بڑے ٹینک اور ریزروائرس، انجذابی گڑھے و تالابوں میں جمع کر کے براہ راست یا زیر زمین پانی کے طور پر اپنی ضرورت کے مطابق ہمیں اسے استعمال کرنا چاہئے۔

عالمی ادارے صحت کی ایک رپورٹ کے مطابق ہر شخص کو روزانہ چالیس تا پچاس لیٹر پانی کی ضرورت ہوتی ہے۔ دورہ حاضر میں صحت بخش پینے کا پانی قدرتی طور پر دستیاب نہیں ہے۔ زیر زمین پانی کی جتنی گہرائی میں ہم جائیں گے پانی میں فلوراڈ کا فیصد اتنا ہی بڑھتا جاتا ہے۔ اس پانی کے پینے سے ہڈیاں کمزور ہو کر ٹیڑھی ہو جاتی ہیں۔ دانت خراب ہوتے ہیں۔ جوڑوں کا درد شروع ہو جاتا ہے۔

کارخانوں سے نکلا ہوا فاسد مادہ پانی کے ذریعہ جب زمین میں جذب ہوتا ہے تو زیر زمین پانی آلودہ ہو جاتا ہے۔ یہی پانی جب تالاب میں جا ملتا ہے تو وہاں پانی کو آلودہ کر دیتا ہے۔ کھیتوں میں استعمال کی جانی والی کیڑا مار ادویات و کیمیکلس بارش کے پانی کے ساتھ مل کر زیر زمین پانی و تالابوں کے پانی کو آلودہ کرتے ہیں۔

پانی پر ہی ہماری زندگی منحصر ہے۔ لہذا پانی کے وسائل کی حفاظت کرتے ہوئے اس پانی کو آلودہ ہونے سے بچانا اور پانی کو حسب ضرورت احتیاط سے خرچ کرنا ہم سب کی ذمہ داری ہے۔

V. موضوع:

مندرجہ ذیل موضوعات کو پڑھیں اور سمجھیں۔

☆ راجہ پورم گاؤں میں موسم برسات میں اچھی بارش ہوتی ہے۔ تری کی فصلیں بہت اچھی ہوتی ہے۔ مگر جیسے ہی موسم گرما شروع ہوتا ہے، اس گاؤں میں پانی کا قطرہ نہیں ملتا۔ زرعی مزدور دوسرے شہر منتقل ہو گئے ہیں۔ پینے کا پانی ٹینکروں سے کوئی 15 کلومیٹر دور سے لانا پڑتا ہے۔ گاؤں کے لوگوں کی یہ تکلیفات گذشتہ 10 سال سے اسی طرح چلتی آرہی ہے۔

☆ ایک اور گاؤں ہے 'کوٹوڑیہ گاؤں' کارخانوں سے بھرا پڑا ہے۔ یہاں چھوٹے بڑے بہت سے تالاب ہیں۔ ان میں پانی بھی کافی مقدار میں ہے۔ موسم برسات میں بارش بھی خوب ہوتی ہے۔ کارخانوں کی آلودگی بارش کے اس پانی میں مل کر تالابوں میں نیچے جاتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ کسانوں کے کھیتوں میں فصل اچھی نہیں ہو رہی ہے۔ کسان اچھی فصل نہ آنے کے باعث مقروض ہوتے جا رہے ہیں اور بالآخر اپنی زمینات فروخت کر رہے ہیں۔ تالابوں کے ہونے کے

باوجود حالت یہ ہے کہ انہیں پانی باہر سے منگوانا پڑ رہا ہے۔

☆ سورارام ایک گاؤں ہے جہاں کے باشندے بڑے باشعور ہیں۔ برسات کے موسم میں وہ بارش کے پانی کو انجذابی گڑھوں، تالابوں وغیرہ کے ذریعہ زیر زمین پانی کی سطح کو بڑھا رہے ہیں۔ اپنے کھیتوں میں اور پہاڑوں پر واٹر شیڈس و چیک ڈیم کی تعمیر کر کے زمین کے اندر زیادہ سے زیادہ پانی کو جذب کر رہے ہیں۔ یہی نہیں گھروں میں بھی بارش کے پانی کو گڑھوں و تالابوں میں جمع کیا جا رہا ہے۔ خالی جگہوں میں پیڑ لگائے جا رہے ہیں۔ پانی کا کفایت کے ساتھ استعمال کرتے ہوئے خوب فصلیں پیدا کر رہے ہیں۔ انہیں نہ تو پینے کے پانی کا مسئلہ ہے اور نہ ہی زراعت کے پانی کے حصول میں کوئی مشکل درپیش ہے۔

☆ دور حاضر میں ہم دیکھتے ہیں کہ شادی بیاہ و دیگر تقاریب میں پلاسٹک کے گلاس اور دیگر اشیاء کا کثرت سے استعمال کیا جا رہا ہے۔ محنت سے اپنے آپ کو بچانے کے لئے ایک مرتبہ استعمال کرنے کے بعد پھینک دی جانے والی پلاسٹک کی اشیاء زمین میں گھل مل جانے کیلئے سینکڑوں سال درکار ہوتے ہیں۔ سالوں زمین پر پڑے رہنے والی یہ پلاسٹک بارش کے پانی کو زمین میں جذب ہونے سے روک دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زیر زمین پانی کی سطح میں بہت زیادہ کمی واقع ہوتے جا رہی ہے۔ یہی نہیں ان کی وجہ سے زمین کی سطح پر پایا جانے والا پانی آلودہ بھی ہوتا ہے۔ اس طرح قدرتی طور پر دستیاب ہونے والا پانی بھی ضائع ہو جاتا ہے۔

☆ کسی زمانے میں جو سردا بہا دریا ہوا کرتے تھے وہ بھی آلودہ ہوتے جا رہے ہیں۔ ہندو، مقدس ندیوں میں بڑی عقیدت مندی سے نہاتے ہیں لیکن کارخانوں سے نکلنے والے فاسد مادوں کی وجہ سے ندیوں کا پانی آلودہ ہوتا جا رہا ہے اور ان کا یہ مقدس عمل اب ایک سوال بنتا جا رہا ہے۔

VI. (الف): سوچنا۔ رد عمل ظاہر کرنا

1. راجہ پور گاؤں کے باشندے، موسم گرما میں پینے کے پانی اور زرعی پانی کے لئے کیوں تکالیفات اٹھا رہے ہیں؟
2. کو تو رگاؤں میں بہت زیادہ پانی دستیاب ہے۔ پھر بھی وہاں کے باشندے اس پانی کو پینے اور کاشتکاری کیلئے استعمال نہیں کر پارہے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ غور کیجئے اور بتائیے۔
3. آپ کے خیال میں سورارام گاؤں والوں کے پاس پینے اور کاشتکاری کیلئے پانی کی دستیابی کی کیا وجوہات ہیں!
4. ندیوں کو آلودگی سے بچانے کے لئے کیا اقدامات کیے جانے چاہئے۔

5. پانی کے تحفظ کے لئے ہمیں کیا کرنا چاہئے؟

6. آپ نے پڑھا کے پلاسٹک اشیا بارش کے پانی کو زمین میں جذب ہونے سے روک دیتی ہے اور یہ کہ ان سے پانی آلودہ ہو جاتا ہے۔ پانی کی آلودگی کی دیگر وجوہات کیا ہیں؟ بتائیے۔

(ب) عمل کیجئے۔ تجربات بیان کیجئے۔

☆ ایک ہفتہ تک پانی کو نہ صرف خود کفایت سے استعمال کیجئے بلکہ اپنے گھر والوں سے بھی احتیاط برتنے کے لیے کہیے۔ آپ نے کیا محسوس کیا؟ اپنے تجربات بیان کیجئے۔

☆ آپ کے اطراف و اکناف میں کہاں کہاں پانی آلودہ ہو رہا ہے۔ اس کی نشاندہی کیجئے اور اس کی روک تھام کے لئے آپ کیا اقدامات کریں گے؟ بتائیے۔

..... جانئے.....

پانی کی بچت کرنے والا مجاہد

جب اتوار کا دن آتا ہے تو ہم سب کیا کرتے ہیں؟ چاہے بچے ہوں، نوجوان ہوں کہ بڑی عمر کے لوگ، سب ہی چاہتے ہیں کہ اس دن مزے کریں۔ لیکن چند لوگ ایسے بھی ہیں جو اتوار کو مختلف طریقے سے گزارتے ہیں ان چند میں عابد سورتی ایک ہیں۔

78 سالہ عابد۔۔۔ اتوار کے دن ایک مزدور بن جاتے ہیں۔ مہی کی میرا روڈ پر واقع چند مکانات کو منتخب کر لیتے ہیں رضا کارانہ طور پر آگے آنے والے اپنے پلبر خادموں کے ساتھ باہر نکلتے ہیں اور نشاندہی کرتے ہیں کہ کس گھر کے ٹل کو مرمت درکار ہے یا کس ٹل سے پانی ضائع ہو رہا ہے۔ اس گھر میں وہ داخل ہوتے ہیں۔ ٹل کی مرمت کرتے ہیں اور اپنے کام کر کے گھر واپس ہوتے ہیں۔ مالک مکان اجرت کی پیشکش بھی کرتے ہیں تو وہ قبول نہیں کرتے۔ وہ کہتے ہیں کہ بغیر اجرت لیے ایسا نیک کام کرنا ان کی عادت ہے۔

ہمہ گیر شخصیت

ریاست گجرات میں ایک غریب خاندان میں پیدا ہونے والے عابد سورتی بچپن ہی سے کہانیاں لکھا کرتے تھے۔

ان کی لکھی کہانیاں اخباروں میں شائع ہوتی تھی۔ لکھنے کا یہ عمل جاری رکھتے ہوئے انہوں نے ناول، ڈرامے اور کہانیاں لکھیں۔ اس طرح انہوں نے تقریباً 80 کتابیں لکھیں۔ ہندوستان کی مختلف زبانوں میں لکھی کتابوں، ناولوں کا ترجمہ کیا گیا۔ ان میں سے 'تیسری آنکھ' نامی افسانوں کے مجموعے کو اتر پردیش کی حکومت نے سال 2007 کا ایوارڈ بھی دیا۔ ہندی زبان کی ترقی میں ان کے رول پر انہیں ہندی ساہتیہ اکیڈمی ایوارڈ سے بھی نوازا گیا۔

عابد سورتی صرف ایک مصنف ہی نہیں بلکہ ایک اچھے مصور بھی ہیں۔ ان کی بنائی ہوئی تصاویر کو عالمی شہرت حاصل ہوئی۔ 1950ء میں انہوں نے کارٹون کے کردار کی تخلیق کی۔ اس طرح ایک کارٹونسٹ کی حیثیت سے بھی انہوں نے کئی ایک کارٹونس بنائے۔

پانی کا ایک قطرہ

ایک دفعہ عابد سورتی اپنے ایک دوست کے گھر تشریف لے گئے۔ وہ اپنے دوست سے بات ہی کر رہے تھے کہ انہیں ایک آواز سنائی دی۔ جب انہوں نے باہر جا کر دیکھا کہ ٹل سے قطرہ قطرہ پانی ٹپک رہا ہے۔ عابد سورتی نے اس دوست سے پوچھا کہ اس ٹل کی مرمت کیوں نہیں کرائی گئی؟

اندازہ کیجئے کہ دوست نے کیا جواب دیا ہوگا۔ یہ ایک عام بات ہے۔ ٹھیک ہے۔۔۔ دیکھا جائے گا۔۔۔ کروالوں گا۔

عابد سورتی نے کہا کہ کسی کو بلا کر اس کی مرمت کرائی جاسکتی ہے۔

دوست نے جواب دیا۔ یہ ایک چھوٹا سا کام ہے۔ اس لیے کوئی بھی کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ اب کیا کیا جاسکتا ہے؟ دوست کی بات سن کر عابد سوچ میں پڑ گئے تب ہی پانی کے تعلق سے اخبار میں چھپی ایک خبر پر پران کی نظر پڑی جو انہیں کافی متاثر کی۔

خبر یہ تھی کہ ایک سکینڈ میں ایک قطرہ ضائع ہوا تو ایک مہینہ میں ایک ہزار لیٹر ضائع ہوتا ہے۔ یہ بات ان کے دل پر اثر کر گئی۔ ایک قطرہ پانی صرف میرے دوست ہی کے گھر میں نہیں بلکہ پورے ملک میں ضائع ہو رہا ہے۔ اس حساب سے پتہ نہیں کتنے لاکھ لیٹر پانی ضائع ہو رہا ہوگا۔ انہوں نے سوچا کہ اس کی روک تھام کیلئے ان کی سطح پر وہ کیا کر سکتے ہیں اور اس طرح انہوں نے فیصلہ کیا کہ اپنے نلوں کی وہ مرمت کریں گے۔

2007 میں انہوں نے DROP DEAD نامی رضا کار ادارہ قائم کیا۔ مدھیہ پردیش حکومت نے جو ساہتیہ

ایڈمی ایوارڈ کے ایک لاکھ انہیں دیے۔ اسے انہوں نے اپنے ہی قائم کردہ ادارہ کو وقف کیے۔ انہوں نے پمفلٹس تقسیم کیے کہ اگر کسی کے گھر میں ٹل بگڑ گیا ہو تو انہیں اس کی اطلاع دی جائے۔ وہ اس کی مرمت کریں گے۔ انہیں پڑھ کر اگر کوئی انہیں فون کرتا تو وہ اتوار کے دن وہاں پہنچ کر ٹل درست کرتے ہیں۔

1600 گھروں میں.....

ہر اتوار عابد سورتی، -600 روپے خرچ کرتے ہوئے ان گھروں پر پہنچ جاتے ہیں جو انہیں فون کرتے ہیں اور وہاں ان کے ٹل کی مرمت کرتے ہیں۔ ان کی ٹیم میں ریاض نامی ایک پلمبر ہے اور تیجال نامی ایک عورت ہے جو رضا کارانہ طور پر اس کام میں حصہ لیتی ہیں۔ اس کام کی تشہیر کیلئے انہوں نے ٹی شرٹس تیار کروائے جس پر نعرہ درج ہوتا ہے 'سورتی' پانی بچاؤ۔ ان ٹی شرٹس کی فروخت سے بھی کچھ رقم جمع کی گئی۔ سورتی ہر سال اوسطاً 1600 گھروں تک پہنچتے ہیں اور وہاں نلوں کی مرمت کرتے ہیں۔ اس طرح ان 7 سالوں میں انہوں نے 55 لاکھ لیٹر پانی کو ضائع ہونے سے بچایا ہے۔

عابد سورتی جب ٹل کی مرمت کیلئے کسی کے گھر پہنچتے ہیں تو وہاں گھر والوں سے وہ بات کرتے ہیں۔ وہ انہیں بتاتے ہیں کہ پانی کا ہر قطرہ قیمتی ہوتا ہے۔ راجستھان میں پینے کے پانی کے لئے عورتیں کئی کئی کلومیٹر چلتی ہیں۔ براعظم افریقہ کے چند ممالک میں تو حالت اور بھی خراب ہے۔ وہاں روزانہ عورتیں سورج طلوع ہونے سے پہلے گھر سے نکل پڑتی ہے اور پتوں پر گرے پانی کے قطروں کو اپنے برتنوں میں جمع کرتی ہیں۔ اسی لیے ہمیں پانی کی قدر کرنی چاہئے۔ گنگا، جننا کی حفاظت ہم نہیں کر سکتے ہیں تو نہ سہی، کیا اپنے گھر میں ہم اپنے پانی کے ضیاع کو نہیں روک سکتے؟ یہ غور کرنے والی بات ہے۔

یقیناً یہ ہم سب کے لئے غور کرنے والی بات ہے

ماحولیات کا تحفظ

شہری زندگی سے بیزار ہو کر ارون دیش پانڈے، 1986 میں مہاراشٹر میں شولا پور کے قریب واقع اپنے گاؤں انکولی واپس آئے لیکن بچپن میں جس انکولی کو وہ چھوڑ گئے تھے، وہ اب بالکل بدل چکا تھا۔ بچپن میں ارون پانڈے کوئیں میں تیرا کرتے تھے مگر آج وہاں پانی نہیں ہے۔ فصلیں نہیں ہیں۔ ہریالی نہیں ہے۔ 300 فٹ گہرائی تک کھودیں تو کنوؤں میں پانی نہیں آتا۔ گاؤں کے باشندے پانی کے لئے حکومت کے بھیجے ہوئے ٹینکرس پر انحصار کرتے ہیں۔ 20 سال تک لگاتار بورڈیس کے استعمال سے زیر زمین پانی کو مکمل طور پر باہر نکال لینے کے بعد آج گاؤں اس حالت کو پہنچا ہے۔

یہ سب کچھ دیکھنے کے بعد بھی دیش پانڈے کو یہ فیصلہ کرنے میں کوئی دقت نہیں ہوئی کہ انہیں گاؤں میں ہی

رہنا چاہئے یا پھر شہر واپس ہو جانا چاہئے۔ ان کا جاننا تھا کہ گاؤں میں ان کی ضرورت زیادہ ہے۔ ارون کی بیوی سمنگلی نے بھی ان کا ساتھ دیا۔ اس کی ایک معقول وجہ بھی تھی۔ ان دنوں میاں بیوی نے مشہور سماجی کارکن بابا آٹے کے ساتھ ملکر قریب چار سال تک کام کیا۔ تب ہی انہوں نے جانا کہ کسی بھی ملک کی ترقی اس ملک کے گاؤں کے خودمکشی ہونے پر منحصر ہے۔ گاندھی جی کی تعلیمات بھی یہی ہیں۔

☆☆☆

انہوں نے پتہ لگایا کہ ان کے علاقہ میں پانی کے اس تیزی سے بخارات میں تبدیل ہونے کی وجہ مغربی گھاٹیوں کی طرف سے چلنے والی گرم ہوا ہے۔ اپنے اراکین خاندان، گاؤں والوں اور ماہرین ماحولیات کے ساتھ مل کر انہوں نے ان ہواؤں کو روکنے کیلئے پیڑ لگائے۔ جو تھوڑا بہت پانی دستیاب تھا اس سے ان لوگوں نے نیم، سو بیول، پیر اور بول کے پیڑ لگائے۔ پانچ سال میں یہ پیڑ بڑے ہو کر درخت بن گئے۔ درختوں کی افزائش سے انہیں دوہرا فائدہ ہوا۔ گرم ہواؤں کو روکنے میں تو وہ کامیاب ہوئے ہی، ساتھ ہی ساتھ درختوں کے پتے جب زمین پر گرے تو ان کی پرت سے تپش میں کمی واقع ہوئی اور زمین کی زرخیزی بھی بچی رہی۔ کنوؤں میں پانی کے ذخائر میں اضافہ ہوا۔ اس پانی کا بہت ہی احتیاط سے استعمال کرتے ہوئے پودوں کی افزائش کی گئی۔ سب کچھ اچھا ہو رہا تھا کہ تقدیر کو کچھ اور منظور تھا۔

☆☆☆

1998ء میں پھوٹ پڑنے والے قحط سے حالت پھر پہلے جیسی ہو گئی۔ بارش ہو تو پانی کو محفوظ کیا جاسکتا ہے لیکن اس سال تو برسات ہی نہیں ہوئی۔ گاؤں میں پینے تک کے لئے پانی نہیں تھا۔ پانچ ہزار کی آبادی میں تقریباً ایک ہزار افراد شہر کو منتقل ہو گئے۔ دوسری طرف جانور ختم ہو رہے تھے۔ مگر گاؤں کو بچانے کا عزم کرنے والے دلش پانڈے کی امید اب بھی زندہ تھی۔ انہوں نے حساب لگانا شروع کیا کہ پانی کتنا دستیاب ہوتا ہے اور کتنا خرچ ہوتا ہے؟ اس وقت تک انہیں پتہ ہی نہیں تھا کہ ان سے کیا غلطی ہو رہی ہے۔ انہوں نے محسوس کیا کہ گٹا ودھان کی فصل، پولٹری اور بھیڑوں کی افزائش پر پانی کا بڑا حصہ خرچ ہو جاتا ہے۔ اس کا حل انہوں نے یہ نکالا کہ پیداوار کو گاؤں کی ضرورت تک ہی محدود کر دیں یعنی ضرورت سے زیادہ نہ پیدا کیا جائے۔ خرچ میں کمی لانے کے لئے انہوں نے گاؤں میں کپڑے کی تیاری شروع کر دی۔ سیکل کے ذریعہ برقی پیدا کرنے والی مشینیں خریدی گئیں۔

قحط کے اس دور میں ہی دلش پانڈے کو پانی کی قلت کے مسئلہ کو دائمی طور پر حل کرنے کے لئے واٹر بنک (Water Bank) کا خیال آیا۔ اس کے لیے انہوں نے نشیبی علاقے میں 26 فٹ گہرا تالاب کھدوایا۔ اس کی تہہ میں پلاسٹک جیو

میمبرین کو بچھایا گیا جس کی قیمت سات لاکھ روپے ہے۔ یہ کورپانی کوزمین میں جذب ہونے سے روکتا ہے۔ پانچ ایکڑ کے احاطہ میں پھیلے اس واٹر بنک میں پانچ کروڑ لیٹر پانی کو ذخیرہ کیا جاسکتا ہے۔ اس واٹر بنک میں تقریباً 30 کسان ممبرس (اراکین) ہیں۔ یہ بارش کے موسم میں اپنے کنوؤں سے پانی نکالتے ہیں اور اس واٹر بنک میں ذخیرہ کرتے ہیں۔ دیگر اوقات میں وہ باری باری اس پانی کا استعمال کرتے ہیں۔ جو جس قدر پانی کا ذخیرہ کرتا ہے اتنا ہی حصہ اپنے لئے لیتا ہے۔ پانی میں تبخیر کو روکنے کیلئے اس میں خالص دیسی انداز میں تیار کیا گیا ارٹھی کا محلول جلایا جاتا ہے۔ یہ محلول جھاگ کی تہہ کی طرح پانی پر جم جاتا ہے اور اسے آبی بخارات میں تبدیل ہونے سے روکتا ہے۔

اس ارٹھی کے تیل سے کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ اس پانی کو کاشتکاری کے لئے، مویشیوں کے لئے اور گھریلو ضروریات کیلئے لئے کفایتی انداز میں استعمال کیا جاتا ہے۔ ایک مرتبہ اگر واٹر ٹینک کو بھر دیا جائے تو یہ پانی گرما کے دو موسموں کے لئے کافی ہوتا ہے۔ کاشتکاری کے لئے جب اس پانی کو استعمال کیا جاتا ہے تو اس وقت اسے کسی موٹر سے نہیں بلکہ بیلوں کی مدد سے چلائے جانے والے موٹ سے نکالا جاتا ہے۔



دیش پانڈے کی دریافت اس ”واٹر بنک“ نے کافی لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ اب حالت یہ ہے کہ حکومت اور بنکوں نے مل کر اس گاؤں کے اطراف واکناف 25 گاؤں کو ’واٹر بنکس‘ کے لئے قرض فراہم کیا۔ دیش پانڈے اس دوران نہ صرف ان واٹر بنکس کی تشکیل میں مشغول ہیں بلکہ دیسی زندگی کو بہتر بنانے کے لئے وہ مختلف میدانوں میں اپنی کوششیں جاری رکھے ہوئے ہیں۔ گاؤں میں شہری سہولیات کی دستیابی ہی ان کا مقصد ہے۔ دیہی ترقی سے متعلق کورس کرنے والے طلباء و طالبات، اس شعبہ سے تعلق رکھنے والے سرکاری عہدیدار و ملازمین، Field Trip کیلئے اکثر انکولی آیا کرتے ہیں۔ گذشتہ 10 سالوں میں تقریباً ایک سو خاندان انکولی واپس ہو چکے ہیں اور یہی تبدیلی ہے جو دیش پانڈے اپنے گاؤں لانا چاہتے تھے۔

قول زریں

پانی کا ہر قطرہ ہزاروں لوگوں کی پیاس بجھاتا ہے۔ اس لئے پانی کا ہر قطرہ قیمتی ہے۔ ہمیں بھولنا نہیں چاہئے کہ یہ ہمیں زندہ رکھتا ہے۔ آبی وسائل کی حفاظت کریں اور تمام زندگیوں کو بچائیں۔

10- آئیے ہم ہی حل تلاش کریں

- I- اہم قدر : سائنسی رجحان
 II- زبیلی قدر : مسائل کا مقابلہ کرنا۔ حل کرنے کی کوششیں کرنا۔
 III- مقاصد مطلوبہ نتائج:

☆ مسائل کی وجوہات کا تجزیہ کر سکیں گے۔ مسئلہ کے حل کے لئے بہترین راستے تلاش کرنے کی کوشش کر سکیں گے۔
 IV- تمہید:

ترقی کرنے کے لئے انسان کئی طریقوں سے کوشش کرتا ہے لیکن اپنے مقصد کو پانے کے لئے راستے میں کئی ایک رکاوٹیں و مسائل آتے رہتے ہیں۔ چند لوگ مسائل سے گھبرا کر منزل مقصود کے لئے کی جانے والی اپنی کوششیں ترک کر دیتے ہیں اور بعض ایسے ہوتے ہیں جو مسائل کا ڈٹ کر مقابلہ کرتے ہیں۔ تخلیقی انداز میں غور و فکر کرتے ہوئے حل تلاش کر لیتے ہیں۔ یعنی مسائل کے حل تلاش کرنے میں مسئلہ کے تجزیہ میں ضرورت اس بات کی ہوتی ہے کہ ہم نیا سوچیں۔ اس قسم کے مسائل کا مقابلہ کرنے والے ایک لڑکے کے تعلق سے ہم یہاں معلومات حاصل کریں گے۔

V- موضوع

واقعہ-1:

احمد مدرسے میں ایک زہین لڑکا ہے۔ ہر مضمون میں اچھے نشانات حاصل کرتا ہے لیکن ریاضی میں وہ سب سے پیچھے ہے۔ دوسرے مضامین میں جماعت میں استاد کے پوچھے گئے ہر سوال کا جواب وہ جھٹ سے دے دیتا ہے بحث و مباحثہ میں جوش و خروش کے ساتھ حصہ لیتا ہے لیکن جیسے ہی ریاضی کا پیریڈ شروع ہوتا ہے اس کی زبان کنگ ہو جاتی ہے۔ جماعت میں خاموش بیٹھ جاتا ہے۔ ریاضی کے استاد نے کئی بار کوشش کی کہ وہ اس سے کہلوائے لیکن وہ ٹس سے مس نہیں ہوا کرتا۔ احمد کو اس بات کی بڑی تکلیف ہوا کرتی تھی۔ وہ یہ سمجھ بیٹھا تھا کہ ریاضی اس کی سمجھ سے باہر ہے۔ اسی لیے

خاموش بیٹھے رہنے ہی میں اسے اپنی عافیت نظر آتی تھی۔ اگرچہ کہ اس طرح خاموش رہنا اسے بالکل پسند نہیں تھا بلکہ وہ تو شرمندگی محسوس کرتا تھا لیکن اور کوئی چارہ کار بھی نہیں تھا۔

احمد کے قریبی دوست رفیق نے ایک دن اس سے دریافت کیا کہ آخر وہ ریاضی کے پیرڈ میں اس طرح خاموش کیوں ہو جاتا ہے۔ آخر اس کا مسئلہ کیا ہے۔ احمد نے اپنا مسئلہ بیان کیا۔ یہ سن کر رفیق نے کہا۔ بس اتنی سی بات۔ یہ تو دراصل سے کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے۔ ایسا کرتے ہیں کہ ایک بار ہم دونوں ریاضی کے استاد کے پاس چلتے ہیں اور ان سے کھل کر بات کر لیں گے۔ احمد نے منع کیا لیکن رفیق نے کہا کہ اگر ابھی کچھ نہ کیا گیا تھا مستقبل میں اور بھی بڑا مسئلہ بن جائے گا۔ بالآخر احمد کو رفیق کی بات ماننی پڑی۔ احمد نے ریاضی کے استاد کے سامنے اپنا مسئلہ رکھا۔

ریاضی کے استاد بڑے شفیق تھے۔ انہوں نے احمد کو اپنے قریب بٹھالیا اور کہا کہ اگر تم کسی چیز کو مسئلہ مان کر اپنے ہی اندر گھلتے رہو اور ڈرتے رہو تو یہ کبھی حل تو ہو ہی نہیں سکتا۔ اس مسئلہ کے حل کی ہمیں کوشش کرتے دہنی چاہئے۔ خیر اب بھی کچھ نہیں بگڑا تمہارا مسئلہ اب میری سمجھ میں آچکا ہے۔ اس کے بعد تمہیں ایسے طریقے سے سمجھاؤں گا کہ تمہاری سمجھ میں آسانی سے آجائے۔ پہلے ہم چھوٹے چھوٹے مسئلوں سے شروع کرتے ہوئے آہستہ آہستہ بڑے سوالات حل کرنے کی کوشش کریں گے۔ چند ہی دنوں میں اس کا نتیجہ برآمد ہوا۔ اب ریاضی احمد کے لئے کوئی مسئلہ نہیں بلکہ یہ بھی اس کا پسندیدہ مضمون ہے۔ وہ استاد کی ہدایات کو غور سے سنتا ہے اور پھر بڑے جوش و خروش سے سوالات حل کرتا ہے۔ اس کام میں رفیق بھی اس کی بڑی مدد کرتا ہے۔ آج وہ ریاضی کے مضمون میں بھی اچھے نشانات حاصل کرنے لگا۔

واقعہ-1:

اسکول میں بیت الخلاء کا مسئلہ

اسکول میں بیت الخلاء کی تعمیر کے لئے صدر مدرس، ٹیچرس اور طلباء نے مل کر ایک میٹنگ طلب کی۔ آپس ہی میں چندہ جمع کیا۔ شرما دائم (بلا اجرت محنت) کرنے کا فیصلہ کیا۔ گاؤں والوں اور گرام پنچایت ارکان سے مل کر بات چیت کی اور ان کے تعاون سے مدرسے میں بیت الخلاء اور پانی کی سہولت مہیا کروالی۔ اس سے ثابت یہ ہوتا ہے کہ مسئلہ چاہے کچھ بھی ہو اور کیسا بھی ہو بات چیت کے ذریعہ پر امن طریقے سے حل کر لیا جاسکتا ہے۔ بس شرط یہ ہے کہ ہم مثبت رجحان و ذمہ داری کے ساتھ قدم آگے بڑھائیں۔

VI (الف) سوچنا - ردعمل کا اظہار کرنا

- 1- اگر احمد اپنے مسئلہ کو حل نہ کرتا تو کیا ہوتا؟
- 2- احمد کی جگہ اگر آپ ہوتے تو اس مسئلہ کو کس طرح حل کرتے ہوتے؟
- 3- کیا آپ کو کبھی کوئی مسئلہ درپیش ہوا؟ وہ کس قسم کا مسئلہ تھا؟ اسے آپ نے کیسے حل کیا؟
- 4- جب مسائل درپیش ہوتے ہیں تو ہمیں کیسا برتاؤ کرنا چاہئے؟
- 5- آپ کے دوست کو اگر کوئی مسئلہ پیش آئے تو آپ اس کی کس طرح مدد کریں گے؟
- 6- سا لہا سال سے مدرسے میں بیت الخلاء کا جو مسئلہ تھا وہ بالآخر کیسے حل ہوا؟
- 7- آپ کے مدرسے کے مسائل پر مباحثہ کیجئے۔ ان کے حل کے لئے بات چیت کیجئے۔ تجاویز بیان کیجئے۔

(ب) عمل کرنا۔ تجربات بیان کرنا

اس تمام ہفتے میں وہ کونسے مسائل تھے جو آپ کے افراد خاندان کو درپیش ہوئے۔ انہیں کس طرح حل کیا گیا۔ ان مسائل کے حل میں کن کن لوگوں نے مدد کی اور کس طرح مدد کی۔ اپنے گھر سے لکھ کر لائیے اور کمرہ جماعت میں مباحثہ کیجئے۔

..... چاہیے.....

مسائل سے پاک سماج..... عمدہ سماج سے مراد برے سے مسائل کا نہ ہونا نہیں ہے بلکہ خود ساختہ مسائل کا نہ ہونا ہے۔ خود ساختہ مسائل سے مراد وہ مسائل ہیں جو ہم خود مول لیتے ہیں جیسے سگریٹ نوشی، شراب پینا، مضر اشیاء کھانا کھانا وغیرہ۔ قدرتی مسائل فطری ہوتے ہیں۔ جیسے بھوک، پیاس، مضر جذبات وغیرہ۔ فی الفور ہمیں ان پر قابو پانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ کیوں کہ یہ تھوڑی دیر میں دوبارہ پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ جب بھی یہ درپیش ہوں ہمیں انہیں حل کرنے کی کوشش کرنی ہے۔ ان میں چند ایک کو تو ہم خود حل کر سکتے ہیں اور بعض کو حل کرنے ہمیں دوسروں کا تعاون ضروری ہوتا ہے۔

اتفاقی مسئلہ / حادثاتی مسائل

یہ مسائل کب ابھرتے ہیں، ان کی پیش قیاسی نہیں کی جاسکتی۔ ہمیں ان کا مقابلہ کرنے کے لئے یا تو ہمیشہ تیار رہنا چاہئے یا پھر ان کی روک تھام کی کوشش کرنا چاہئے۔

اس طرح مختلف مسائل ہمیں پیش آتے رہتے ہیں۔ ایک کو حل کیا اور دوسرا پیدا ہوتا ہے۔ ہمیں چاہئے کہ ہم مسائل کو حل کرنے اپنے اندر مہارت پیدا کریں نہ کہ ان سے ڈر کر پیچھے ہٹیں۔ اگر ان کا ڈٹک مقابلہ نہیں کیا گیا تو یہی آگے چل کر ہمیں نکل جاتے ہیں۔

چند مسائل ایسے ہوتے ہیں جنہیں ہم خود حل کر سکتے ہیں۔ چند کو سب مل کر حل کرنا ہوتا ہے۔ مسئلہ حل کرنے کیلئے ہمیں محنت کرنی ہوگی اور پھر ہماری محنت مسئلہ کے حل کی سمت ہونی چاہئے۔ آج ہم چھوٹے چھوٹے مسائل کو حل کرنے کی کوشش کریں گے تو کل بڑے سے بڑا مسئلہ حل کرنے کے قابل بنیں گے۔ اگر کسی کام کا بیڑا اٹھائیں تو اسے درمیان میں نہ چھوڑیں۔ کام کریں تو بس کام کریں، کام کی اداکاری نہ کریں۔ کیوں کہ اس سے مسئلہ کا حل نہیں نکلتا۔ اخلاص سے کام کریں۔ مسئلہ چاہئے کونسا بھی ہو، اس کے حل سے پہلے ہمیں اس کے بارے میں کافی غور و خوض کرنا چاہئے۔ اس کے بعد اس کے حل کے لئے کس کی مدد درکار ہے۔ اس پر غور کریں۔ ہمارا حل ایسا ہونا چاہئے کہ وہ مزید مسائل کے حل میں معاون ہو۔ مسئلہ کے حل میں کسی ایک فرد کی رہنمائی میں کام ہونا چاہئے۔ مسئلہ کا موزوں طریقے سے جائزہ لیا جانا چاہئے۔ جب بھی کوئی اپنا مسئلہ بیان کرے تو ہمیں سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہئے کہ وہ کوئی مسئلہ بھی ہے یا نہیں۔ اس کے پیچھے حقیقت کیا ہے؟ ضروری مواد اکٹھا کریں۔ اس کے بعد ایک منصوبہ بنا کر مسئلہ کے حل کی سمت آگے بڑھیں۔ مسئلہ چھوٹا ہو کہ بڑا، خود سے حل ہونے والا ہو یا دوسروں کے تعاون سے حل ہونے والا ہو، اس کا ہمیں حل ڈھونڈنا چاہئے۔ اس سے ڈر کر ہمیں فرار نہیں ہونا چاہئے۔ ہمت، قربانی، دانشمندی، حاضر دماغی و فلسفہ کاری وغیرہ کسی بھی مسئلہ کے حل میں معاون ہوتے ہیں۔

قولِ زریں

مسائل تو ہیں سب کے ساتھ۔ بس توجہ کرنے کی ہے بات۔

مسئلہ کے حل ہی میں ہماری عافیت ہے۔ لہذا ہمت سے کریں اس کا مقابلہ اور نکالیں اس کا حل۔

11- حقوق - ذمہ داریاں

- I- اہم قدر : انصاف
 II- ذیلی قدر : حقوق اور ذمہ داریوں سے واقف ہونا، حفاظت کرنا۔
 III- مقاصد مطلوبہ نتائج: ☆ زندگی گزارنے کے لئے حقوق جتنے اہم ہیں اتنی ہی اہم ذمہ داریاں بھی ہیں۔ اس بات سے واقف ہونا۔
 ☆ ذمہ داریوں سے غفلت برتنے کے نتائج سے آگاہ ہونا۔

IV- تمہید:

انسان کی پیدائش سے ہی اسکو حقوق حاصل ہو جاتے ہیں۔ زندگی جینے کے قابل حقوق کا استعمال کرنے کی ہم کوشش کرتے ہیں۔ لیکن کئی لوگ یہ بھول جاتے ہیں کہ حقوق کے ساتھ ساتھ ذمہ داریاں بھی نبھانی چاہئے۔ سماج میں ہر کوئی اپنے حقوق کا استعمال صحیح ڈھنگ سے کرے تو تبھی ہر فرد کو قدر و منزلت حاصل ہوتی ہے۔ حقوق کا استعمال کر کے اپنی ذمہ داریوں سے پہلو تہی کرنے والے ان مناظر کا مشاہدہ کیجئے۔

V- موضوع

واقعہ-1:

ایک دیہات میں وینوگا پال اور وجیہ رہتے تھے۔ یہ لوگ بہت محنتی اور جفاکش تھے۔ دو ایکڑ زمین کے ٹکڑے میں کاشت کرتے ہوئے اصولی زندگی گزار رہے تھے۔ انہیں دو لڑکے تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ ان کے لڑکے خوب پڑھیں اور انہیں بہترین ملازمت حاصل ہو۔ ان کی طرح محنت کش نہ بنیں۔ اس لئے حسب استطاعت انہیں اچھی طرح پڑھایا۔ اس کے لئے وینوگا پال کئی جگہوں سے قرض حاصل کر کے مقروض ہو گیا۔

چند دنوں کے بعد ان دونوں کو اچھی ملازمت مل گئی۔ دونوں میاں بیوی بہت خوش ہوئے کہ ان کی تکلیف دور ہو گئی۔ اب بیٹوں کے پاس سکون سے رہ سکیں گے۔ اس طرح انہوں نے خیال کیا۔ بیٹوں کی شادیاں کر دیں۔ وہ لوگ اپنی بیویوں کے ساتھ شہر میں بس گئے۔ ادھر یہ دونوں میاں بیوی اس امید پر راہ دیکھ رہے ہیں کہ کب وہ شہر میں ان کے پاس رہنے کے لئے بلائیں گے۔

ایک دن وہ دونوں بیٹے ان کے گھر آئے۔ وینوگو پال وجیہ دونوں بہت خوش ہوئے۔ ان کی ماں نے بہت دنوں کے بعد لڑکوں کی آمد سے مسرور ہو کر ہمہ اقسام کی چیزیں بنا کر کھلائی۔ دونوں میاں بیوی اندر ہی اندر خوش تھے کہ ان کے لڑکے انہیں لے جانے کے لئے آئے ہیں۔ کھانے سے فارغ ہو کر اپنے ماں باپ سے دونوں لڑکوں نے کہا۔ اماں ہماری 12 ایکری زمین کو ہم دو بھائیوں میں ایک ایک تقسیم کر دو۔ تقسیم کی بات سن کر دونوں میاں بیوی حیران رہ گئے۔ انہوں نے کہا کیا بات کر رہے ہو بیٹے؟ فوری بیٹوں نے کہا کہ یہ زمین بیچ کر شہر میں ہم گھر خریدنا چاہتے ہیں۔ تب وینوگو پال نے کہا کہ اگر ہم یہ زمین بیچ دیں تو تمہاری پڑھائی کے لئے لیا ہوا قرضہ کیسے چکائیں گے۔ ہم کس طرح جنیں گے؟ تو لڑکوں نے شان بے نیازی سے کہا کہ وہ آپ کی مرضی ہے۔ تمہیں کس نے کہا کہ قرض لیں؟ ہمیں ہمارا حق چاہئے بس؟ اپنے لڑکوں کی بات سے دکھی ہو کر بوڑھے ماں باپ اپنے آنسوؤں کو روک نہ سکے۔ ٹھیک ہے کہہ کر زمین کو دونوں میں تقسیم کر دیا۔

کرنے کو کچھ نہ ہونے کی وجہ سے یہ لوگ گھر بیچ کر قرض ادا کر دیئے اور اسی گاؤں میں دور کونے میں جھونپڑی ڈال کر رہنے لگے اور محنت مزدوری کر کے اپنا پیٹ پالنے لگے۔ اپنے بچوں کے سلوک سے محروم ہو کر تکلیف دہ زندگی بسر کر رہے ہیں۔

واقعہ-2

چند اپور گاؤں کا فو قانیہ مدرسہ بہت خوبصورت ہے۔ اس مدرسہ میں تمام چیزیں مخصوص ہیں۔ خاص طور پر وہاں کی لائبریری کے بارے میں کہنا ضروری ہے۔ مدرسہ میں اساتذہ طلباء مل کر ایک کتب خانہ چلا رہے ہیں۔ اس میں کئی قسم کی کتابیں ہیں۔ جن کی ہر روز لائبریری کے گھنٹہ میں لائبریری کی کمیٹی میں موجود طلباء نگرانی کرتے ہیں۔ کون کونسی کتابیں لے رہا ہے اس کا اندراج کتابوں کی اجرائی کے رجسٹر (مجار یہ) میں کرتے ہیں۔

مدرسہ میں طلباء کئی کاز کے لئے اس لائبریری کا استعمال کرتے ہیں۔ تھوڑے نظمیں گیت سیکھتے ہیں۔ کہانیاں پڑھتے ہیں اور چند لطیفے پڑھ کر محفوظ ہوتے ہیں۔ اس طرح کئی طریقوں سے استعمال ہونے والی کتب خانہ کی کتابیں بچوں کو بے حد پسند ہیں۔

ایک دن راہول نام کا طالب علم اس کی پسندیدہ کہانیوں کی چند کتابیں اپنے بیگ میں رکھ کر چلا گیا۔ مدرسہ میں جو کوئی بھی کتابیں لے جاتا دوسرے دن ضروری ہے کہ وہ لا کر جمع کرادے لیکن راہول وہ لا کر دینے کے بجائے اپنے گھر ہی میں رکھ لیا۔ تلگو ٹیچر سبق کا درس دیتے وقت ایک کہانی بتانے کی ضرورت ہوئی۔ اس کے لئے اس کتاب کو لا بھریری میں دھونڈنے پر وہ نہیں ملی۔ کتاب کے لئے لا بھریری کمیٹی سے پوچھا تاچھ کی گئی تو وہ لوگ رجسٹر دیکھ کر راہول کا نام لئے۔ جب راہول سے اس بارے میں باز پرس کی گئی تو اس نے انکار کرتے ہوئے کہا کہ ”میں نے وہ کتاب کبھی کی واپس لا کر دے دی“۔ اس طرح اس نے بات بنا دی۔

VI۔ (الف) سوچنا - رد عمل کا اظہار کرنا

- 1۔ پہلے واقعہ میں بیٹوں نے جو کیا ہے کیا وہ صحیح ہے؟ کیوں؟
- 2۔ ”بچوں کو پڑھانا اس کی ذمہ داری نہیں ہے“۔ اگر باپ ایسا سوچتا تو صورتحال کیا ہوتی؟
- 3۔ مدرسہ کے کتب خانہ کی کتابوں کو پڑھنے کا حق سبھی کو ہے۔ اس کو محفوظ رکھنے کی ذمہ داری بھی ہے۔ اس طرح اگر ہم ذمہ داری بھول جائیں تو کیا ہوگا؟
- 4۔ آپ کچھ استعمال کرتے ہیں تو کیا اس کو ذمہ داری سے واپس کرتے ہیں؟ اس طرح واپس نہ کریں تو کیا ہوگا؟ دیگر لوگ آپ کے بارے میں کیا سوچیں گے۔
- 5۔ بچو! آپ کے حقوق کیا ہیں؟ اور ذمہ داریاں کیا ہیں؟ کیا آپ جانتے ہیں؟

(ب) عمل کرنا۔ تجربات بیان کرنا

1۔ آپ کے گھر میں ”مجھے یہ چاہئے، مجھے وہ چاہئے“ کہہ کر مانگنے کے مواقع کون سے ہیں؟ آپ کے والدین کے ذریعہ آپ کو سپرد کیئے گئے کام کون سے ہیں؟ وہ کام کی انجام دہی کس طرح کئے؟

2۔ آپ کے گھر میں آپ کو کون کون سے حقوق حاصل ہیں؟ آپ کون کون سے کام ذمہ داری سے کرتے ہیں؟

بنیادی حقوق:-

ہمارے دستو میں بیان کئے گئے بنیادی حقوق ذیل کی منفرد خصوصیات کے حامل ہیں۔

- 1- دستور میں فراہم کردہ بنیادی حقوق، اسمبلی و پارلیمنٹ میں بنائے جانے والے قوانین کے مقابلے میں بدرجہ افضل ہیں۔
- 2- دستور کے دیباچہ کے مطابق انصاف، آزادی، مساوات، اخوت و بھائی چارگی فلسفانہ اصولوں جیسے اصولوں کو حقیقی شکل دینے کیلئے بنیادی حقوق کی وضاحت کی گئی ہے۔
- 3- یہ انفرادی آزادی و اقتدار اعلیٰ کے درمیان رواداری کو قائم کرتے ہوئے مرکزی و ریاستی حکومتوں اختیارات کے ساتھ ساتھ اسمبلی کے اختیارات کو بھی محدود کرتے ہیں۔
- 4- یہ نہ ہی بے نیاز ہیں اور نہ ہی لامحدود ہیں۔ ملکی سالمیت، حفاظت، صیانتی نظریہ کے مطابق چند حقوق پر مناسب تحدیدار عائد کرنے کے اختیارات حکومت کو ہیں اور اہم تحدیدات کی موزونیت کا جائزہ لے کر فیصلہ کرنے کا اختیار عدلیہ کو ہے۔ مثال کے طور پر اظہار خیال کی آزادی کے بام پر الزام تراشی، بدنام کرنا، بدگوئی، تہمت لگانا وغیرہ نہیں کرنا چاہئے۔ اس طرح حکومت کی باز پرس کرنا ”دستور کے خلاف“ نہیں ہے۔ اس لئے عوام کی سلامتی، تحفظ، امن کی خاطر حقوق پر تحدیدات عائد کیئے جاسکتے ہیں۔
- 5- دستور کے اقتباسات میں چند حقوق اقلیتی ذاتوں کے مفادات کا تحفظ، قومی مساوات کے تحفظ کی کوشش کرتے ہیں۔ ہمارے ملک میں اکثریت ووٹوں کے ذریعہ قائم کی جانے والے اسمبلی اقلیتوں کے مفادات کے خلاف کام کرنے والی نہ ہو۔ اس لئے ان کے مذہب، تہذیب، تعلیم کے حقوق وغیرہ کو دستور میں جگہ دی گئی۔
- 6- معمار دستور ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر کے مطابق چند حقوق ملک کے شہریوں کے لئے لاگو ہوتے ہیں۔ مثلاً سیاسی حقوق اور دیگر حقوق تمام کو حاصل ہوتے ہیں۔
- 7- بنیادی حقوق کی نہ صرف نشاندہی بلکہ اس کی حفاظت کی ذمہ داری بھی ملک کی عدالتوں کے سپرد کی گئی ہے۔ مثلاً استحصال کے خلاف حق دستوری چارہ جوئی (آرٹیکل 32) کے ذریعہ شہری اپنے حقوق کی عمل آوری کیلئے عدلیہ سے رجوع ہو سکتا ہے۔
- 8- عام حالات میں حقوق شہریوں کو حاصل ہوتے ہیں۔ تو پھر چند مخصوص حالات میں یعنی ناگہانی صورتحال (Emergency) کے اعلان کے وقت فرد کی آزادی پر امتناع یا عارضی طور پر رد کرنے کا اختیار مرکزی حکومت کو

حاصل ہے۔

9۔ دستور میں فراہم کردہ حقوق ہی شہریوں کو حاصل ہوتے ہیں۔ دستور میں جن کی صراحت نہیں وہ حقوق شہریوں کو حاصل نہیں ہوتے۔

حقوق کی درجہ بندی:-

- 1۔ حق مساوات (آئینک 14 سے 18 تک)
- 2۔ حق آزادی (آئینک 19 سے 22 تک)
- 3۔ تکلیف سے نجات کا حق (آئینک 23 سے 24 تک)
- 4۔ مذہبی آزادی کا حق (آئینک 25 سے 28 تک)
- 5۔ تعلیم، تہذیب و ثقافت کا حق (آئینک 29 سے 30 تک)
- 6۔ جائیداد کا حق (آئینک 31 اس سے متعلق حق کو 1978 میں بنیادی حقوق کی فہرست سے نکال دیا گیا)
- 7۔ استحصال کے خلاف چارہ جوئی کا حق (آئینک 32)

بنیادی حقوق۔ فرائض۔ مقررہ اصول:

بنیادی فرائض:-

- حقوق اور فرائض ایک سکے کے دو رخ ہیں۔ دستور میں صرف حقوق کے بارے میں ہی آواز اٹھانے کی صراحت ہے۔ اس لیے 1976 میں دستور کی 42 ویں ترمیم کے ذریعہ چند بنیادی فرائض کو بھی دستور میں شامل کیا گیا ہے۔ دستور کی آئینک 51 (الف) کے ذریعہ ہر شہری کو ذیل کے فرائض کی پابندی لازم کی گئی ہے۔
1. دستور کے پابند ہو کر اس کے مقاصد و نظم و نسق، قومی جھنڈا، قومی گیت کی عزت کرنا چاہئے۔
 2. ہماری آزادی کے طریقہ کار کے لیے قومی تحریکوں میں جلاؤا لنے والی عظیم الشان شخصیتوں کی عزت کرنا۔



3. ہمارے ملک کے اقتدار اعلیٰ، یکجہتی، مساوات کو قائم رکھنے کیلئے ان کی حفاظت کرنی چاہئے۔
4. ضرورت پڑنے پر ملک کی حفاظت کیلئے، قومی خدمت سے متعلق پروگرام میں حصہ لینا۔
5. مذہب، زبان، علاقہ، طبقاتی تفرقات سے بالاتر ہو کر عوام خود میں اتفاق، رواداری، انسانی مساوات و بھائی چارہ کو فروغ دیں۔
6. ہماری عظیم گنگا جمنی تہذیبی ورثہ کے اقدار کی عزت کرنا اور اس کی حفاظت کرنا۔
7. جنگلات، جھیلیں، ندیاں، جنگلی جانوروں کے ساتھ قدرتی ماحول کی حفاظت کرتے ہوئے اس کی ترقی کے کوشاں رہیں۔ جانداروں کے تئیں ہمدردی کے حامل ہونا۔
8. سائنسی رجحان اور انسانیت کے اصلاحی علوم کے اختیار کا حامل ہونا۔
9. عوام کی جانیدار کی حفاظت کرنا۔ پر تشدد کارروائیوں کی روک تھام کرنا۔
10. انفرادی یا مشترکہ طور پر ہمہ گیر ترقی کے راستہ پر قوم کو بلند یوں پر پہنچانے کے لئے کوشش کرنا چاہئے۔

قول:

حقوق کی خواہش تبھی کرنا چاہئے جب آپ اپنے تمام کام
مناسب طور پر ذمہ داری کے ساتھ انجام دیے ہوں۔



12۔ تشدد نہیں چاہئے

- I. اہم قدر : امن و امان سے زندگی گزارنا۔
- II. ذیلی قدر : عدم تشدد کو فرض عین جاننا۔
- III. مقاصد مطلوبہ نتائج :

☆ کسی کو باتوں سے، گالی گلوچ وغیرہ جیسے پر تشدد کام نہیں کرنا چاہئے
☆ عدم تشدد کی راہ اختیار کرنا چاہئے۔

IV. موضوع:

تشدد کے معنی تکلیف ہونا، تکلیف پہنچانا، تکلیف میں مبتلا ہونا، انسان کے اندر کی پر تشدد سوچ نہ صرف انسانی رشتوں میں دراڑ ڈالتی ہے بلکہ بد امنی پیدا کرتی ہے۔ اس لیے ہمیں بچپن ہی سے عدم تشدد کی عادت ڈال لینا چاہئے۔ اس کے لئے ہم صبر و تحمل کا حامل ہوتے ہوئے ہمارے جذبات کو قابو میں رکھنا چاہئے۔ سماج میں بد امنی ہو تو ترقی ممکن نہیں۔ اس لیے یہ سبق عدم تشدد کو عام فرائض میں اولین ترجیح دیتا ہے۔

V. موضوع

واقعہ-1:

یہ وسیمہ کا گھر ہے۔ وسیمہ چھٹویں جماعت کی طالبہ ہے۔ وہ ایک دن مدرسہ میں بیٹھی رو رہی تھی اس کی سہیلی رضیہ نے اس کے رونے کی وجہ دریافت کی۔ وسیمہ نے جواب دیا کہ اس دن اس کے پاس اس کے ماما آئے تھے۔ انہوں نے اس کی پڑھائی کی مخالفت کی۔ اس کی ماں سے کہا کہ اس کا اسکول جانا بند کر دے۔ یہی نہیں بلکہ انہوں نے وسیمہ کو گالی گلوچ بھی کی۔ وسیمہ نے رضیہ سے کہا کہ تمہیں تو معلوم ہے کہ مجھے تعلیم سے کتنی دلچسپی ہے؟ میں ماما کی گالی گلوچ برداشت نہ کر سکی اسی لیے میرا دل بھر آیا۔

واقعہ-2

”مت ماریے سر“ میں مرجاؤں گا۔ میں نے پیسے نہیں چرائے۔۔۔! سر“ رفیق نے گڑگڑاتے ہوئے ہوٹل کے مالک سے اپنی ماں کی قسم کھا کر کہا۔ پھر بھی اس کی بات کو ان سنی کرتے ہوئے ہوٹل کا مالک اسے بے رحمی سے پیٹتا رہا۔ اسی وقت ایک آواز آئی۔ وہ پیسے میں نے نکالے ہیں۔۔۔۔! یہ دراصل ہوٹل کے مالک کی بیٹی کی آواز تھی۔

واقعہ-3

ایک گھر میں چور گھس پڑا۔ گھر کی عورتوں کو چاقو کی نوک پر اپنے اپنے زیورات دینے کہا۔ ابھی گھر کی مالکن اپنے گہنے اس چور کے حوالہ کر رہی تھی کہ اس کا لڑکا وہاں آ گیا اور چور نے آؤ دیکھنا تاؤ، اس لڑکے کو چاقو گھونپ دیا۔ گہنوں پر چھپٹا اور فرار ہو گیا۔ اس چھپٹا جھپٹی کے دوران عورت کے گردوں پر بھی زخم آئے۔

واقعہ-4

احمد مدرسہ جا رہا تھا۔ راستہ میں اسے ایک کتا نظر آیا۔ فوری اس نے بڑے بڑے پتھر اٹھائے اور کتے پر دے مارے۔ کتا بھونکتے ہوئے بھاگ گیا۔

VI. (الف) نچنا - رد عمل کا اظہار کرنا

1. وسیمہ کیوں رنجیدہ ہوئی؟ کیا آپ کو بھی کسی کی باتوں سے دکھ پہنچا ہے؟ تب آپ نے کیسا محسوس کیا؟
2. ہم جانتے ہیں کہ ہمیں جب بھی کوئی مارتا ہے تو ہمیں تکلیف ہوتی ہے۔ جب بھی کوئی مارتا ہے تو یہ ہمارے جسم پر نہیں بلکہ دل پر لگتا ہے۔ ایسا واقعہ آپ کے ساتھ پیش آئے یا کسی کے ساتھ پیش آتے ہوئے آپ دیکھتے ہیں تو آپ پر کیا گزرتی ہے؟
3. چور کی حرکت سے گھر والوں پر کیا گزری؟ ایسے کسی واقعہ کے بارے میں بتائیے۔
4. انسانوں کو ہی نہیں جانوروں کو بھی تکلیف پہنچانا جرم ہے۔ اس پر بحث کیجئے۔
5. گالی گلوج کرنا، مارنا، ہلاک کرنا، چوری کرنا وغیرہ تشدد ہی ہے۔ وہ کونسے دیگر تشدد ہے جو انسان کو تکلیف پہنچاتے ہیں۔
6. جانوروں پر ہونے والے تشدد کے بارے میں بتائیے۔
7. عورتوں پر ہونے والے پر تشدد واقعات کو بیان کیجئے اور مباحثہ کیجئے۔

(ب) عمل کرنا۔ تجربات بیان کرنا

1. اپنے گھر میں اور اپنے اطراف و اکناف کا جائزہ لیجئے۔ تشدد والے واقعات کو لکھ کر لائیے۔

.....جانیے.....

عدم تشدد ایمان کا جز ہے

دوسروں کو قتل کرنا ہی نہیں بلکہ انہیں تکلیف پہنچانا بھی تشدد ہے۔ تشدد سے پرہیز کرنا ہی عدم تشدد ہے۔ سچائی اور عدم تشدد ہندوستانی تہذیب کی دو آنکھ ہیں۔ ان دونوں بھی عدم تشدد سے زیادہ افضل ہے۔ یدھ مت اور جین مت عدم تشدد کو بہت زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ جین مت کے ماننے والے اپنی ناک پر پٹی باندھتے ہیں تاکہ نتھنوں سے جراثیم اندر جا کر مر نہ جائیں۔ چلتے وقت پیروں تلے کیڑے مکوڑوں کے کچلے جانے کے اندیشہ سے وہ جھاڑتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں۔ لاکھوں لوگوں کو قتل کرنے والا اشوک بدھ مت اختیار کرنے کے بعد عدم تشدد کا پیروکار بن گیا۔ اسی سے عدم تشدد کی نزاکت و عظمت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

عدم تشدد پر عمل اتنا آسان کام نہیں۔ سب سے پہلے تو ہمیں اپنے آپ میں یہ یقین پیدا کر لینا چاہئے کہ تمام جاندار مساوی ہوتے ہیں اور یہ کہ ہر ایک میں جان ہوتی ہے۔ ممکنہ حد تک دوسروں کو تکلیف پہنچانے سے گریز کرنا چاہئے۔ چونکہ ہم کسی میں جان نہیں ڈال سکتے ہیں تو کسی کی جان لینے کا بھی ہمیں کوئی حق نہیں۔ یہاں تک کہ خودکشی بھی جرم ہے۔ بچپن میں تیلیوں کو دھاگے سے باندھنا، گرگٹ مارنا جیسے کام ہم کرتے رہتے ہیں۔ یہ سب بھی جانداروں پر تشدد ہے۔ ماں باپ کو چاہئے کہ وہ اپنے بچوں کے تعلق سے احتیاط برتیں۔ جانوروں کو بے تحاشہ مارنا، ان سے زیادہ وزن اٹھوانا، بھی تشدد ہے۔ ہمیں اس وقت تک تشدد نہیں کرنا چاہئے جب تک کہ خود اپنی جان کو خطرہ نہ ہو۔

اوروں کو ٹھیس پہنچانے والی باتیں کرنا بھی ایک تشدد ہے۔ کہا جاتا ہے کہ پیٹھ کے زخم اتنے تکلیف دہ نہیں ہوتے جتنی تکلیف دہ دل کو ٹھیس پہنچانے والی باتیں ہوتی ہیں۔ اس لیے نرمی سے، مشقت سے اور محبت سے بات کرنی چاہئے۔ ہمارے بول اتنے پیٹھے ہونے چاہئے کہ اوروں کو کوئی تکلیف نہ ہو۔ دوسروں سے کوئی غلطی بھی ہو تو نہایت ہی نرمی اس کو معاف کرنا چاہئے۔ عدم تشدد کا مطلب یہی ہے کہ ہماری باتوں سے اور ہمارے کلمات سے کسی کو گزند نہ پہنچے۔ وہی ہمارا ایقان و ایمان ہے۔

قول:

تشدد صرف میدان جنگ میں ہی نہیں بلکہ گھروں میں، مدرسوں میں، اسمبلی میں اور پارلیمنٹ میں بھی دیکھا جاسکتا ہے۔ بیوی کو اذیت پہنچانا، بچوں کو سزائیں دینا، نوکروں کے ساتھ ناروا سلوک کرنا، پڑوسیوں و ساتھیوں کے ساتھ مل کر مار پیٹ کرنا، دوستوں کو زیر کرنا، غریبوں پر ظلم ڈھانا، بوڑھوں کو خاطر میں نہ لانا، مریضوں کے ساتھ لا پرواہی برتنا اور اختیارات کا بے جا غلط استعمال کرنا وغیرہ تشدد کی مختلف صورتیں ہیں۔ یہ تمام عالمی جنگ سے زیادہ خطرناک ہوتے ہیں۔ تشدد کے اس چلن کو ختم کرتے ہوئے ہمیں سماج میں افراد کے درمیان باہمی رشتہ و روابط کو دوستانہ بنانے کی کوشش کرنی چاہئے۔ عدم تشدد کے ماحول کو قائم کرنا چاہئے۔ گاندھی جی نے عدم تشدد کے راستے پر چلتے ہوئے ہندوستان کو آزاد کروایا۔ عدم تشدد جیسی نیک خصلت کو ہمیں اپنے اندر پیدا کرنا چاہئے۔ تب ہی ساری انسانیت سکھ و چین سے زندگی بسر کر سکتی ہے۔

بدھ مت کے اصول

بدھ مت کے چار اہم صدائیں

- ☆ دنیا دکھوں کی آماجگاہ ہے۔
- ☆ دکھ کا سبب خواہشات نفسانی ہیں۔
- ☆ خواہشات نفسانی کو قابو میں کر لیا جائے تو دکھ دور ہو جاتا ہے۔
- ☆ خواہشات نفسانی کا خاتمہ کرنے کے لئے مقدس ہشت اصولی مسلک پر چلنا چاہئے۔

ہشت اصول کے چار عظیم الشان نصیحتیں:

1. اچھا تکلم

2. اچھا عمل

3. اچھی طرز زندگی

4. صحیح محنت و شفقت

5. صحیح فکر

6. صحیح علم

7. سچا یقین

8. صحیح نظریہ

دوسرے مذاہب کی تضحیک کرنا، اپنے لوگوں کو تکلیف دینا وغیرہ جسمانی تشدد ہے۔ مذمت کرنا، بے عزت کرنا، بدگوئی، الزام تراشی کرنا وغیرہ اخلاقی تشدد ہے۔ مارنا، خرد برد کرنا وغیرہ جسمانی تشدد کہلاتا ہے۔ یہ تینوں قسم کے تشدد سے دوزخ حاصل ہوتی ہے۔

13۔ والدین کی محنت و مشقت کا احترام

- I. اہم قدر : محنت کی قدر
- II. ذیلی قدر : ماں باپ کی محنت اور محبت کو پہچاننا۔
- III. مقاصد مطلوبہ نتائج : طلباء اپنے ماں باپ کی محبت اور محنت کو پہچانیں گے۔
- IV. تمہید:

ماں باپ کا درجہ بہت بلند ہے۔ ہماری یہ زندگی ان ہی کا عطا کردہ تحفہ ہے۔ ہمارے ماں باپ ہماری موجودہ حالت سے اعلیٰ سطح تک پہنچانے کے لیے طرح طرح کی مشکلات اٹھاتے ہوئے زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اکثر اعلیٰ لائحہ عمل اٹھ کر محنت مزدوری کر کے اپنے بچوں کے بہتر مستقبل کی خاطر اعلیٰ تعلیم دلوانے کے لئے سہولیات مہیا کرواتے ہیں۔ بچوں کی خواہشات کی تکمیل کرتے ہیں لیکن چند لوگ ماں باپ کی اس محنت و مشقت کو نہ جانتے ہوئے مسلسل انہیں کوستے ہوئے تکلیف پہنچا کر انہیں ذہنی تکالیف میں مبتلا کر رہے ہیں۔

ماں کی دل شکنی کی ہرگز نہ حماقت کرنا
 باپ کی تو نہ مشقت کو اکارت کرنا
 ہوں وہ راضی تو تبھی ہوگا خدا بھی راضی
 ان کو ناراض کریں یہ نہ جسارت کرنا
 (عطا کا غزنگری)

جیسے اقوال زرین تو سنتے ہیں سنائے جاتے ہیں مگر ان پر عمل آوری دکھائی نہیں دے رہی ہے۔ لیکن ماں باپ پھر بھی اپنے بچوں کی محبت میں اپنی تکالیف کو بھول کر ان کی کامیابی کے لئے مشقت اٹھاتے ہیں۔ ایسا وقت کھانے کے لئے دو روٹیاں ہیں کھانے والے تین ہیں۔ تب مجھے بھوک نہیں ہے، آپ کھائیے۔ ان دونوں کو روٹیاں دے دیں۔ ان کی تسکین میں ہی اپنی تسکین ان کی خوشی میں ہی اپنی خوشی تلاش کر نیوالی ہستی ماں ہی ہے۔ ایسے ماں باپ کی محنت کو اور بچوں پر نچھاور کی جانے والی محبت کو جانے بغیر انہیں طرح طرح کی مصیبتوں میں مبتلا کرنے والی ان کہانیوں کو سنیے۔

موضوع۔

واقعہ-1:

دینکا پور میں ایک غریب کسان جوڑا رہتا تھا جو روز محنت مزدوری کر کے اپنا اپنے بچوں کا پیٹ پالتا تھا۔ ان کی چار اولادیں تھیں جس میں بڑی لڑکی ریشماں کو دسویں جماعت تک بڑی مشکلوں سے پڑھایا۔ لڑکیوں کو تعلیم کی کیا ضرورت ہے اور ہماری مالی حالت بھی اچھی نہیں ہے۔ یہ سوچ کر ریشماں کی پڑھائی ترک کر دیا۔ کتنا ہی قرض کیوں نہ ہوا لڑکی کی شادی کر دیں گے سوچ لیں۔ موجودہ سماج میں جہیز دینے پر ہی شادیاں ہو رہی ہیں۔ ہر ماں باپ کی خواہش ہوتی ہے کہ ان کی بچی کو اچھا جیون ساتھی ملے۔ انہوں نے بھی یہی سوچ کر اچھے لڑکے کی تلاش شروع کر دی۔ آخر کار اپنا استطاعت کے مطابق جہیز دے کر لڑکی کی شادی کروائی۔ شادی کیلئے اپنا کھیت اور دوسری جگہ کی زمین بھی بیچ دی۔ اس طرح اپنے چار لڑکوں کو اچھا پڑھایا۔ بالآخر ان چاروں میں سے کسی کو بھی ماں باپ کی فکر نہ ہوئی۔ بڑھاپے میں ان کی دیکھ بھال کرنیوالا کوئی نہ تھا اس لیے انہیں بیت المعمرین میں داخل کر دیا۔

واقعہ-2:

راشد اپنے والدین کا اکلوتا لڑکا تھا۔ اکلوتی اولاد ہونے کے ناطے ارشد کو اچھا پڑھا لکھا کر بڑی نوکری میں راجا کی طرح دیکھنا چاہتے تھے اس کے ماں باپ بچپن ہی سے اس کی ہر خواہش کو پوری کرتے رہے۔ ہاسٹل میں پڑھایا اور انجینئرنگ مکمل کروایا۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے اپنی تمام جائیداد بیچ کر اس کو امریکہ بھجوا یا۔ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد امریکہ میں ہی اس نے رہائش اختیار کر لی اور ماں باپ کو وظیفہ کے طور پر ماہانہ 2000 روپے بھیج کر انہیں اکیلا چھوڑ دیا۔

واقعہ-3:

عید کے آنے پر رحیم کے گھر میں اس کے ماں باپ کا دل گھبراتا تھا کیونکہ رحیم کو کتنے بھی کپڑے خرید کر دیں تو وہ اور نئے کپڑے خریدنے کی ضد کر کے انہیں رلاتا تھا۔ بہت ہی کم تنخواہ میں جہاں پیٹ پالنا مشکل ہوتا تھا وہاں مشکلوں کے باوجود رحیم کی نفس پروری کرتے ہوئے اسے پالا گیا۔ وہ جو بھی پوچھتا تو وہ خرید کر نہ دینے پر ماں باپ پر برسنا، پیر پختنا، تمام چیزوں کو نیچے پھینک دینا رحیم کی عادت بن گئی۔ کسی کا بھی دکھ سکھ نہیں سمجھنے والا رحیم بہت ضدی ہو گیا۔

واقعہ-4:

عباس۔ ریحانہ کا ایک متوسط خاندان ہے۔ ماں مشین پر کپڑے سی کر گھر کا گزارا کرتی تھی۔ باپ ایک کارخانہ میں

گماشتہ (کلرک) کی نوکری کرتے ہوئے شنو اور عبید کو پڑھا رہا تھا۔ ماں دن رات ایک کر کے اپنے خون کو پسینے کی طرح بہا کر مشین پر کپڑے سیٹے ہوئے دن رات تکلیف اٹھا رہی تھی۔ پھر بھی اس کو سراہنے والا کوئی نہیں تھا۔ روزانہ ایک مشین کی طرح اس کی زندگی ہو گئی تھی۔ بچوں کی خاطر سب تکلیف بھلا کر ایک کوڈاکٹر اور دوسرے کو وکیل بنایا۔ گھر میں آنے جانے والے سبھی لوگوں کو پکا کر کھلاتی تھی۔ اتنا کام کرنے والی ماں کو بچوں کی طرف سے کسی بھی طرح کی مدد نہیں ملتی تھی۔ یہی نہیں بلکہ بچے اپنی ماں کو ایک نوکرائی کی طرح دیکھتے تھے اور اس کی بے عزتی کرتے ہوئے اس سے غیر اخلاقی گفتگو کر کے اس کے دل کو ٹھیس پہنچاتے تھے۔

واقعہ-5

پیسوں کا لالچی بیٹا نعیم کھانے کے بعد اپنی ماں کو چٹھی لکھا۔ تم مجھے 25 روپیہ باقی ہو۔ گھر صاف کرنے کے 5 روپے، پودوں کو پانی دینے، کوڑا کرکٹ صاف کرنے کے 15 روپے وغیرہ چٹھی میں لکھ کر دیا۔ وہ چٹھی دیکھ کر ماں حیران ہو گئی اور ٹھان لی کہ ایسے بچے کو اچھا سبق سکھانا ضروری ہے۔

اس چٹھی کے جواب میں اور ایک چٹھی لکھ کر ناشتے کی میز پر رکھ دی۔ ماں نے اس میں اس طرح لکھا تھا۔

میرے پیارے بیٹے! انو مجھے کچھ بھی باقی نہیں ہے۔ میرا حساب اس طرح ہے۔

تجھے کھانا پکا کر کھلانے کے.....'0' پیسے۔

تیرے کپڑے دھونے کے.....'0' پیسے۔

تیرے کپڑے استری کرنے کے.....'0' پیسے۔

تیرا ہاتھ روم صاف کرنے کے.....'0' پیسے۔

تجھے ڈاکٹر کے پاس لے جانے کے.....'0' پیسے۔

تجھے اسکول لے جانے اور پھر لانے کے.....'0' پیسے۔

اور آخر میں اتنا کچھ کرنے کے بعد بھی میرے پیارے بیٹھے تجھے اور مجھے کوئی قرضہ نہیں ہے۔ کیونکہ میں تجھے بہت

چاہتی ہوں۔ بیٹا یہ چٹھی پڑھ کر بہت شرمندہ ہوا اور پچھتا یا۔

VI- الف۔ سوچنا۔ رد عمل کا اظہار کرنا

1. ماں باپ کی محنت کو پہچانو سے آپ کیا مراد لے رہے ہیں۔
2. درج بالا واقعات سے آپ نے کیا حاصل کیا ہے۔
3. تیسرے واقعہ میں رحیم ماں باپ کو کپڑوں کے لئے اپنی ضروریات کے لئے، لالچ کو حاصل کرنے کے لئے جس طرح ہٹ دھرمی پر اتر آیا اس طرح آپ کبھی کیے ہیں۔ تب آپ کو کس طرح محسوس ہوا۔؟
4. آپ کے ماں باپ آ کے لئے جو کچھ بھی تکالیف اٹھائے ہیں کیا آپ اس تکلیف کو جانتے ہیں۔ کیا آپ ان کے لئے بھی ویسا ہی کریں گے؟
5. واقعہ 5 میں نعیم کی ماں نے اپنے بیٹے کو جو جواب دیا تھا کیا آپ کو پسند آیا؟ کیوں؟
6. بچپن سے ہی آپ کے ماں باپ آپ کے لئے کیا کیا کرتے ہیں۔ اس میں آپ ان کی کس طرح مدد کرتے ہیں۔ بتلائیے؟

(ب) عمل کرنا۔ تجربات بیان کرنا

1. ایک ہفتے تک ماں کے ذریعہ کیے جانے والے کاموں کو دیکھے؟ ایک دن کے لئے ہی ماں کے کاموں کو آپ کیجئے۔ اور بتلائے کہ آپ کو ماں کے کام کیسا محسوس ہوئے۔
2. آپ کے والد آپ کی کس طرح مدد کر رہے ہیں دیکھئے۔ اس طرح آپ کیجئے۔ والد کے ذریعہ فراہم کی جانے والی مدد کا آپ کس طرح شکریہ ادا کرتے ہیں۔ بتلائیے۔

..... جائیے.....

نو مہینے تک پیٹ میں رکھ کر پیدا کر کے پھر اچھے اخلاق سکھا کر بڑا کرنے والے ماں باپ کی محنت و مشقت کو پہچانیے۔ ان میں سے ہر ایک نے تم کو جو محبت، عزت مدد اور سہارا دیا ہے اس احسان کو زندگی میں کبھی نہیں بھولنا۔ محنت سے تکلیف سے کمائی ہوئی رقم اپنے ذاتی خرچ کے لئے نہ رکھ کر بچوں کی پڑھائی اور ان کی ترقی کے لئے ہمیشہ تیار رہنے والے باپ کو دل و جان سے چاہنا چاہئے۔ ان کی محنتوں کا صلہ ان کے خوابوں کو پورا کر کے انہیں تحفہ کے طور پر

دیں تو انہیں وہ خوشی حاصل ہوگی جو لفظوں میں بیان نہیں کی جاسکتی۔

گھر میں حالات کو سمجھتے ہوئے اپنے ماں باپ کی مدد کرنا چاہئے۔ ہٹ دھرمی سے پیش آتے ہوئے آپ پر جوان کا لاڈ و پیار ہے اس کو بے کار نہ سمجھیں یا پھر کوئی اور عنوان نہ دیں۔ اپنے والدین کی آنکھوں کی ٹھنڈک نہ بننے والے، ان کی محبت کے قابل نہ بننے والے، ان کی خوشنودی حاصل نہ کرنے والے کو خدا کی خوشنودی بھی حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس لیے ہر کوئی اپنے ماں باپ کی محنتوں و کاوشوں کو سمجھیں اور جانیں۔ ان کی جدوجہد اور بے آرامی و بے سکونی کو نہ بھولیں۔ ہر ایک کو چاہیے کہ بڑھاپے میں اپنے ماں باپ کی دیکھ بھال بہت پیارا اور شفقت سے کریں۔ یہ بچوں کا فرض ہے۔

ہر ماں یہ چاہتی ہے کہ اس کا بیٹا بڑا آدمی اور اچھا انسان بنے۔ ماں بے غرض ہوتی ہے۔ بچوں کی بھلائی ہی ماں کا مقصد ہوتا ہے۔ اس مقصد کے لئے ہر ماں باپ بے غرض کوشش کرتے ہیں۔ اس لیے اس کے عوض ماں باپ کو چاہنا، عزت دینا اور ان کی محنتوں کو جاننا، ان کی دیکھ بھال کرنا بچوں کا فرض ہے۔ اس فرض کو ہرگز نہ بھولنا چاہیے۔

چار سال کی عمر میں..... میرے ابو بہت اچھے ہیں۔

چھ سال کی عمر میں..... میرے ابو کو سب کچھ معلوم ہے۔

دس سال کی عمر میں..... ابو بہت اچھے ہیں مگر غصہ بہت ہے۔

بارہ سال کی عمر میں..... میرے بچپن میں ابو میرے ساتھ بہت رہتے تھے۔

چودہ سال کی عمر میں..... ابو ہر چیز کو یاد کرید کرید کر پوچھتے ہیں۔

سولہ سال کی عمر میں..... کچھ بھی پوچھتے تو نہ کہتے ہیں۔ انہیں باہر کی دنیا کے بارے میں کچھ نہیں معلوم۔

بیس سال کی عمر میں..... مجھ سے تو یہ نہ ہوگا۔ ابو کے ساتھ امی کس طرح گزاری ہوں گی۔

تیس سال کی عمر میں..... میرے بیٹے کی شرارتیں زیادہ ہو گئی ہیں۔ بچپن میں میں اپنے باپ سے بہت ڈرتا تھا۔

چالیس سال کی عمر میں..... ابو نے میری پرورش بہت اچھے ڈھنگ سے کی۔ میں بھی اپنے بچوں کی پرورش ویسے ہی کروں گا۔

پچاس سال کی عمر میں..... کبھی کبھی میں حیران ہوتا ہوں ہماری پرورش کے لئے ابو نے کتنی تکالیف اٹھائی

ہوں گی۔

ساتھ سال کی عمر میں..... میرے ابو بہت اچھے ہیں۔

شائد باپ کو سمجھنے کے لئے پچاس سال لگتے ہیں۔

قول:

باپ کا بڑکپن باہر ہوتا ہے اور ماں کا بڑکپن گھر میں ہوتا ہے۔

”بڑھاپے میں!“ اپنے ماں باپ کے بڑھاپے میں

جو اولاد انہیں سہارا نہ دے وہ ایک مردہ انسان کے برابر ہے۔“

”ماں باپ کی خوشنودی حاصل کرنا خدا کی خوشنودی حاصل کرنا ہے۔“

14. ہم اہل ہیں۔ جائیے

- I. اہم قدر : خدمت کا جذبہ
 II. ذیلی قدر : معذورین کی مدد
 III. مقاصد مطلوبہ نتائج

معذورین کی امداد کیلئے اپنی ذمہ داری کو محسوس کرنا۔ آگے آنا
 ☆ معذورین کو ہمدردی کے ساتھ سمجھتے ہوئے حسب استطاعت ان کی مدد کرنا۔
 ☆ معذورین کے تئیں جذبہ خدمت کا مظاہرہ کرنا۔

IV۔ تمہید:

معذور سے مراد جسم میں کسی ایک عضو کا نقص ہونا۔ اس کے بھی کئی اقسام ہیں۔ چند آدمی نظر سے معذور ہو کر اندھے کہلاتے ہیں۔ سنائی نہ دینے سے بہرے۔ بات نہیں آنے سے گونگے، پاؤں نہ ہو کر لنگڑے، ہاتھ برابر نہ ہونے سے کام صحیح ڈھنگ سے نہ کر پاتے ہیں۔ اس طرح کئی قسم کے معذورین تکلیف اٹھاتے ہوئے ہم اپنے اطراف و اکناف میں روزانہ دیکھتے ہیں۔ ایسے معذورین کے تئیں ان پر نہ صرف رحم کھائیں بلکہ ان کی مدد کس طرح کر سکتے ہیں سوچنا چاہئے۔ انہیں سمجھ کر ان کی مدد کرنا چاہئے۔ ذیل کی منظر کشی کو پڑھیے اور دیکھئے کہ بچے کس طرح اپنی اہلیت ثابت کر رہے ہیں۔

V. موضوع:

منظر کشی: واقعہ۔ 1:

گوند کو پولیو ہو جانے سے اس کے دونوں پیر بے جان اور لاچار ہو گئے ہیں۔ چل نہیں سکتا تھا۔ بڑھتی عمر کے ساتھ وہ بہت موٹا بھی ہو گیا۔ کسی سہارے کے بغیر اپنی خودی سے وہ کھڑا نہیں ہو سکتا۔ گوند کی چھوٹی بہن اپنے بھائی کی ہر طرح سے مدد کرتی ہے۔ ابو گوند کو نہلا کر کپڑے پہنائے تو تب تک ادھر اس کی بہن اس کا اسکول بیاگ درست کرتی ہے۔ ٹفن تیار کرتی ہے۔ گوند نوں جماعت اور اس کی بہن آٹھویں جماعت میں ایک اسکول ہی میں پڑھ رہے ہیں۔ گوند کو روز اسکول

لے جانا اس کی بہن کی ذمہ داری ہے۔ گوند کو حکومت کی جانب سے تین پہیوں کی سیکل ملی۔ گوند کو ماں باپ سیکل پر بٹھانے کے بعد بہن اس کو لے کر اسکول جاتی ہے۔ وہ تھوڑا بھی بے زار نہیں ہوتی تھی۔ بھائی کو وہ بہت چاہتی ہے۔ اسکول پہنچنے پر گوند کے دوست اس کو گھیر لیتے ہیں اور چار پانچ ساتھی مل کر اسے سیکل سے اتار کر کلاس میں لے جا کر بیچ پر بٹھاتے ہیں۔ اسکول کی چھٹی ہونے پر دوبارہ لے جا کر سیکل پر بٹھاتے ہیں۔ یہ روزانہ کا کام ہے۔ تمام بچوں کا اس طرح گوند کی مدد کرنے سے اسے اپنی معذوری کا احساس نہیں ہو پاتا۔ چاہے اسکول یا پھر دوست سب سے وہ خوش ہے۔

منظر کشی - 2:

اسد، بچپن سے اندھا تھا۔ بڑی محنت و لگن سے پڑھائی کی۔ اندھا ہونے سے نابینا افراد کے اسکول میں تعلیم حاصل کی۔ اس طرح اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے کالج میں پہلے لکچرر کی حیثیت سے تقرر ہوا اور بعد میں پروفیسر بنا۔ اسد روزانہ یونیورسٹی کی بس میں جاتا تھا۔ اس کی کالونی سے یونیورسٹی تک سب کو معلوم ہے کہ اسد کون ہے۔ اتنا ہی نہیں مسافر، بس ڈرائیور، کنڈکٹر وغیرہ تمام اسد کو جانتے ہیں۔ روز بس چڑھتے ہی اپنی سیٹ پر بیٹھے اسد کو سب پوچھتے ہیں۔ اسد اترنے کا اسٹیج آنے پر ڈرائیور اسد صاحب آپ کا اسٹیج آ گیا کہہ کر اطلاع دیتا ہے۔ اور یہ ہم سفر ساتھی بس اترنے میں اس کی مدد کرتے ہیں۔ اترنے کے بعد یونیورسٹی کے طالب علم اسد کو لے جاتے ہیں۔ اپنے روم کو پہنچتے ہی اسد سر یہ لیجئے پانی کہہ کر انڈر پانی دیتا ہے۔ اس طرح اس کی ہر وقت مدد ملنے سے اسد کو اپنے اندھے ہونے کا احساس بھی نہیں رہا۔ یہ جو کچھ ہو رہا ہے کسی ایک دن کا واقعہ نہیں۔ بلکہ ان کے ڈیوٹی کے تمام ایام اسی طرح گزرتے ہیں۔ میرے اطراف رہنے والے انسان کتنے ہمدرد ہیں مجھ سے کتنی ہمدردی جتاتے ہیں مجھے کتنا چاہتے ہیں۔ میں کتنا خوش نصیب ہوں کہ ان کے بیچ رہ رہا ہوں۔ اس طرح کہتے ہیں پروفیسر اسد۔

VI۔ (الف) سوچنا - رد عمل کا اظہار کرنا

1. اوپر دی گئی دو منظر کشی کے بارے میں آپ کو کیا معلوم ہوا؟
2. کیا آپ کبھی ایسے لوگوں کی مدد کیے ہیں؟
3. معذور لوگ اپنی کسی نہ کسی کمی کی وجہ سے کچھ کام نہیں کر سکتے۔ ہم معذور نا ہو کر بھی جسمانی طور پر مکمل ہونے کے باوجود کیا ہم تمام کام کر رہے ہیں؟ خیال ظاہر کیجئے۔
4. خدمت خلق سے خدا کی خوشنودی حاصل کی جاسکتی ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے؟

(ب) عمل کرنا۔ تجربات بیان کرنا

☆ بچو! آپ اس ہفتہ ایک گھنٹہ اپنی آنکھوں پر پٹی باندھ کر کام کیجئے۔ اسی طرح ایک گھنٹہ کے لئے کسی سے بھی بات مت کیجئے۔ صرف اشاروں میں اپنی ضروریات کی تکمیل کیجئے۔ آپ کو ایسا کرنے پر کیسا محسوس ہوا بتائیے۔

..... جالیے

معذورین کے لئے مشعل راہ۔ جئے شری

معذورین سے مراد دیگر لوگوں کی طرح کام نہ کرنے والے ہیں نا؟ جی نہیں، دیگر لوگوں کے کرنے کے کام ان کے طریقہ سے نا کر کے کسی دوسرے طریقہ سے ادا کرنے والوں کو کہتے ہیں۔ اس لیے جئے شری نے ان کو Disabled کہا۔ بلکہ Differently able کہا۔ مختلف انداز میں کام کی تکمیل کرنے والے کہا۔ جئے شری کون ہے؟ کیوں انہوں نے سماج کو ایک مثالی راہ دکھلانی چاہی؟

ہر آدمی کو اس سماج سے ایک ہی قسم کی مدد نہیں ملتی۔ کسی کو زیادہ کسی کو کم انصاف ملتا ہے۔ حقیقت میں معذورین کے ساتھ اللہ تعالیٰ انصاف نہیں کیا سمجھتے ہیں درحقیقت ان کے ساتھ نا انصافی سماج کرتا ہے کیونکہ اللہ نے معذورین کے نقص کے بدلے میں زائد استعداد اور قوت عطا کی ہے تا کہ وہ دوسرے لوگوں کے ساتھ سبقت حاصل کر سکیں مگر سماج ان کی امداد کرنے کے بجائے ان سے ہمدردی جتاتا ہے۔ انہیں عام زندگی کے دھارے میں شامل کرنے کے بجائے رحم کھاتے ہیں۔ ہم پر یہ رحم دلی کیوں؟ یہی وہ سوال ہے جو ان کے دماغوں میں پیدا ہوتا ہے۔ اس سوال کا باہمی تعلق کی نمائندگی کرنے کے لئے آگے آنے والی جئے شری رویندرن

جئے شری کیرالار ریاست پال گھاٹ کی ہے۔ چینیائی میں ملازمت کرنے والی جئے شری کو معذورین کو الگ زاویہ نگاہ سے دیکھنے کا سماج کا رویہ پسند نہیں آیا۔ جئے شری جو خود بہرے پن کا شکار ہے، وہ اپنے جیسے تمام لوگوں کے مسائل کو بہت اچھی طرح سمجھ چکی ہے۔ اس لیے اس نے سماجی زاویہ نگاہ کو بدلنے پر کمر بستہ ہو گئی۔ بس پھر کیا تھا نوکری کو خیر آباد کہہ کر ان معذورین کے لئے اٹھ کھڑی ہو گئی۔ انگریزی زبان میں پی ایچ ڈی کرنے والی جئے شری کو یہ بات اچھی طرح معلوم ہوئی کہ دنیا بھر میں جو حالات ہیں وہ ہمارے ملک میں نہیں۔۔۔ پہلے ہمیں جان لینا چاہئے کہ ہمیں کیا حاصل کرنا ہے۔ پھر اسکے

بعد کیا کرنا ہے۔ یہ سوچ سکتے ہیں۔ لہذا پہلے Ability foundation ادارہ قائم کیا

جس قسم کی بھی امداد درکار ہو تو یہ Ability foundation ان کی مدد کے لئے ہر وقت تیار رہتی ہے۔ اس دارے کی طرف سے اپنے جیسے صلاحیتوں کے حامل افراد کی قوت استعداد کیا ہوتی ہے۔ دنیا کو بتلانا چاہتی ہے۔ اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے Ability رسالہ۔ معذور سمجھنے والی سماج کی آنکھیں کھولنے کے لئے ہی ہے۔ یہ رسالہ Ability جس میں ان کی قابلیت کیا ہے اور یہ کیا کیا فتوحات حاصل کر رہے ہیں درج ہے۔ وہ لوگ مواقع فراہم کرنے پر آگے بڑھنے والے نہیں ہیں بلکہ مواقع پیدا کرنے والے ہیں۔ ایسے تخلیق کاروں کا نگہبان ہے یہ رسالہ اہیلیٹی۔ ویسے بھی ان دنوں جسمانی محنت کے لئے جگہ کہاں ہے۔ جو کچھ بھی ہے دماغی محنت ہے۔ اس میں ہم کسی کو نکال باہر نہیں کر سکتے۔ کام کرنے والا جسم نہیں ہوتا بلکہ سوچ فکر ہی ہے۔ ایسا جئے شری کا کہنا ہے۔

کافی کچھ دیکھا ہے۔۔۔

اہیلیٹی فاؤنڈیشن کسی ایک کام کیلئے مختص نہیں ہے۔ ملک میں Employability کے نام سے نئی جہت سے پردہ اٹھایا۔ نوکری، کیوان کیر، پی این بی جیسے قومی اور بین الاقوامی اداروں کی مدد سے صرف معذورین کے لئے یہ جاب میلہ قائم کیا گیا۔ یہ میلہ یوں ہی چلتا رہے گا۔ ملک بھر کے Differentlyabled افراد اس میں حصہ لے کر صلاحیتوں کو ثابت کر دیں تو انہیں اچھی نوکری حاصل ہوگی۔ چینیائی میں 2004 میں منعقدہ پہلا ”جوب میلہ“ میں 36 کارپوریٹ کمپنیوں نے حصہ لیا۔ اس کے بعد ان کی اور افراد کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا۔ چند دن قبل ہی حیدرآباد میں بھی ”جوب میلہ“ کا انعقاد عمل میں آیا۔ جئے شری کے مطابق جاب فیئر میں حصہ لینے آنے والوں میں اکثریت کا تعلق آندھرا پردیش سے ہونے کی وجہ سے اس سال ”جوب میلہ“ حیدرآباد میں رکھا گیا۔ مرکزی حکومت کی جانب سے قانون Person with disability 2011 کی تشکیل میں جئے شری کا اہم رول رہا ہے۔ معذورین کیلئے فلم فیسٹیول (کردار) کردار نبھانے والے تشکیل دینے والے ان ہی میں سے تھے) اس کے لئے ایک ریڈیو خاص قسم کے ریڈیو پروگرام۔ ان کے لئے مخصوص ایوارڈس وغیرہ۔ یہ تمام جئے شری کی تخلیق کردہ نئی دنیا کا ایک حصہ ہیں۔

”ہم جانتے ہیں کہ ہم میں قابلیت ہے اس بات کو آپ جان لیجئے“۔ اس طرح جئے شری نے معذورین کے ذریعہ

ہی ثابت کر دیا۔

قول :- خود اعتمادی ہی اس کا محرکہ ہے۔

اس دن رکشہ بندھن کا تہوار تھا۔ چار سال کی سریتا اپنی ماں کے ساتھ ماموں کے گھر گئی۔ وہاں چند بچے کھیل کھیلتے ہوئے دیکھ کر ان کے ساتھ کھیلتے لگی۔ اتنے میں کسی نے کہا کہ اوپر چھت پر بندر آیا۔ بس پھر کیا تھا کہ تمام بچوں کے ساتھ مل کر وہ بھی بندر دیکھنے گئی۔ اتنے میں اماں..... کہہ کر ایک چیخ سنائی دی۔ بڑے لوگ دوڑتے ہوئے بچنے تک زخمی حالت میں سریتا زندہ لاش کی طرح پڑی ہوئی ملی۔ بندر کو دیکھنے کیلئے جانے والی سریتا نے اوپر سے ٹوٹا ہوا ایک برقی تار کو چھولیا۔ اس میں سے ہائی وولٹیج گزرنے والی برقی رو کی زد میں آ گئی۔ جب تک ہی اس کا جسم جل کر کالا ہو گیا تھا۔ ڈاکٹر کے پاس جانے پر ڈاکٹر نے کہا کہ دونوں ہاتھ اور بایاں پاؤں نکال دیں تو ہی بچی کی جان بچائی جاسکتی ہے۔ متوسط خاندان ہونے کی وجہ سے رقم کیلئے مشکل ہوئی۔ ماموں کی مدد سے علاج کروانے کے بعد بھی ماں باپ کو یہ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ سریتا کی جان بچنے کی خوش بنائے یا پھر اس کی حالت پر ماتم کریں۔ چار پانچ مرتبہ علاج کروائے۔ کم از کم سیدھا پاؤں تو ٹھیک ہے سمجھے تو وہ بھی نیچے تلوے کے پاس کی جلد مردہ ہو چکی تھی۔ دو ماہ کے علاج کے بعد سریتا گھر آئی۔ اس کا باپ فوج میں ملازم تھا۔ تین بہنیں اور ایک بھائی۔ عزم کے ساتھ قلم پکڑنا:

ہسپتال سے گھر آ کر صرف پلنگ تک ہی محدود ہو کر رہ گئی۔ دن گزرنے کے ساتھ سریتا کو حالات کا علم ہونا شروع ہوا۔ ہر ایک ضرورت کیلئے ماں پر منحصر ہونے کا احساس ہوا۔ دوسرے سے اپنا تقابل کر کے دیکھنے پر بہت دکھ ہوا۔ اپنے بھائی بہن کو کتابیں لے کر اسکول جاتا دیکھ کر وہ بھی ضد کرنے لگی کہ وہ بھی اسکول جائے گی۔ ”تو لکھ نہیں سکتی..... تجھے اسکول میں کوئی بھی داخلہ نہیں دے گا۔“ ماں نے کہا تو وہ سوچ میں پڑ گئی۔ یہی بات اس کے عزم میں اضافہ کیا۔ اپنے بھائی بہن کیسا لکھ رہے ہیں بغور دیکھی۔ ایک ہفتہ کے بعد ان کے نزدیک بیٹھ کر خود ہی پاؤں کی انگلیوں کے درمیان پین کورکھ کر الفاظ سیکھنا شروع کیا۔ پہلے پہل پیر سے پین پکڑنا مشکل ہوا۔ پھر بھی رات میں بیٹھ کر کوشش کرنے لگی۔ دو مہینوں کے بعد پیر سے تیزی سے لکھ کر اپنے والد کو دکھایا۔ دوسرے دن ہی سریتا کو اسکول میں داخل کروایا۔ سریتا کی کاوشوں کو اسکول انتظامیہ نے بھی بہت سراہا۔ نشانات میں آگے رہنے کے باوجود اس کو یہ غم تھا کہ دوسروں کی طرح کھیل کود نہیں سکتی تھی۔ اس غم پر قابو پانے کے لئے تصویر اتارنا سیکھ لیا۔ منہ سے یا پھر پیر سے پنسل کو پکڑ کر تصاویر اتارنے لگی۔ گھر میں تصاویر دیکھ کر مشق کرنے لگی۔ سریتا کو جہلت کی شناخت کر کے ایک ٹیچر نے ریاستی سطح پر پینٹنگ کے مقابلہ میں حصہ دلوا لیا۔ وہاں پر نہ صرف انعام حاصل کیا بلکہ قومی سطح کے مقابلہ کے لئے بھی منتخب ہوئی۔ اس مقابلہ میں بھی اول سطح پر پہنچ کر صدر کے ہاتھوں

”بالاشری“ ایوارڈ حاصل کیا۔ میری زندگی کا نہ بھولنے والا واقعہ یہی ہے کہتے ہوئے سریتا نے اپنی زندگی کا مقصد بتایا کہ دوسروں پر منحصر نہ ہو کر زندگی گزارنا چاہئے۔ اپنے کام خود کر لینے کو ہی ترجیح دینا شروع کیا۔ پڑھائی میں اور فنون میں آگے رہنے سے ”بیسٹ کریٹیو گرل چائلڈ“ گاڈ فرے پلپس، نیشنل بریوری ایوارڈ“ وغیرہ اسے حاصل ہوئے۔

دسویں جماعت میں آنے کے بعد مہندی لگانا، ٹائوڈیزائن ڈالنے کی تربیت حاصل کی۔ کئی لوگوں نے استفسار کیا کہ یہ سب تجھے کس لئے؟ مگر اس نے کسی کہا سنی اور کسی کو اہمیت نہ دی۔ پیر کی انگلیوں سے ہی مٹی سے چیزیں بنانے لگی۔ سنٹرل کالج سے بارہویں پاس کر کے الہ آباد یونیورسٹی میں فائن آرٹس میں داخلہ حاصل کیا۔ ایک مرتبہ یونیورسٹی سے گھر جاتے ہوئی ایک گندی بستی میں بچوں کو کھیلتے ہوئے دیکھا۔ اس کے قریب ہی برقی تاروں کو جھولتے ہوئے دیکھا۔ بچوں کو اگر وہ تار چھولیں تو کیا ہوتا ہے یہ بات اسے اچھی طرح معلوم تھی۔ فوراً اس نے مقامی عہدیداروں سے بات کر کے اس کی مرمت کروادی۔ تبھی اس نے سوچ لیا کہ ان بچوں کی تربیت کرے گی۔ گندی بستی میں ہی بچوں کو پینٹنگ اور ٹیوشن پڑھانے کی بات کرنے پر بچوں کے ماں باپ کو یقین نہیں ہوا۔ پہیوں والی گاڑی پر بیٹھ کر مسلسل ان کو منانے کے لئے جانے اور کوشش کرنے لگی۔ اپنی کوشش میں کامیاب ہونے کے بعد ان بچوں کو پینٹنگ سکھایا۔ بچوں کے ذریعہ اتاری ہوئی عمدہ پینٹنگ کو آرٹس گیلری میں رکھ کر فروخت کرنے لگی۔ اس طرح حاصل ہونے والی آمدنی کو بچوں کی تعلیم کے لئے خرچ کرنے لگی۔ جستجو رکھنے والے..... فیس ادا کرنے والوں کیلئے مہندی ڈیزائن Clay Moulding کی کلاس منعقد کرنے لگی۔ الہ آباد میں ہائی اسکول اور کالج کے طالب علموں کیلئے مہینے میں ایک بار شخصی نشوونما Personal Development لکچر دینے لگی۔ دو سال کے عرصہ میں جانے کتنے بچوں کی اندھیری زندگیوں میں روشنی بھردی۔



یوم معذورین

دنیا میں تمام انسان برابر ہیں! مگر کچھ نہ کچھ وجوہات کی بناء پر چند لوگ پیدائشی طور پر معذور پیدا ہوتے ہیں اور چند لوگ بیماری، حادثہ کی وجہ سے معذور ہوتے ہیں۔ ان کو ہم نچلی نگاہ سے نہیں دیکھنا چاہئے۔ ہمارے تمام اعضاء برابر ہیں اس لئے ایسے لوگوں کی مدد کرنی چاہئے۔ اتنا ہی نہیں کئی لوگ معذور ہونے کے باوجود دیگر لوگوں کے مقابلہ میں کئی حیرت انگیز کارنامے انجام دے رہے ہیں۔ ایسے جو پسماندہ ہیں ان کو کیا کہیں؟

لکو جو سنجیورائے شرما ایسا ہی ایک معذور ہے۔ وہ ایک پیدائشی اندھا ہے۔ وہ پڑھنا لکھنا نہیں سیکھا لیکن وائیلن بجانے کے ساتھ ساتھ ریاضی میں غیر معمولی مہارت حاصل کی۔ بازو میں بیٹھے لوگوں سے پڑھے گئے مواد کو سن کر سمجھ کر ذہن نشین کر کے دوبارہ پوچھنے پر بتلا دیتا تھا۔

حساب کے مضمون میں دنیا میں چھٹواں آدمی کی حیثیت سے شناخت کیا جانے لگا۔ ”کمپیوٹر انسان“ کی حیثیت سے نام کمانے والی ریاضی دان شریستی شکنتلا صاحبہ نے سنجیورائے شرما کی صلاحیت کو سراہتے ہوئے کہا کہ شرما صاحب کی آنکھیں نہیں ہے، ان پڑھ ہیں لیکن انہیں تاریخ، مہینہ اور سال دے دیں تو وہ اس دن کی گھڑی، ہفتہ، ستارے تینوں کے بارے میں تفصیل بتا دیں گے لیکن میں ہفتہ کے بارے میں بتا سکوں گی۔ شری ویکیشورایو نیورسٹی والوں نے انہیں ڈاکٹریٹ کی ڈگری دی۔ اپنے اندھے پن پر افسوس کرنے کے بجائے حساب میں حیرت انگیز کارنامے حاصل کرنے والے شری سنجیورائے شرما کو اس ”یوم معذورین“ کے دن انہیں یاد کر کے ترغیب حاصل کریں۔

میسوری جسمانی معذور تھی۔ اس کی خواہش تھی کہ وہ ایک کتھک ڈانسر بنے۔ حادثہ میں دونوں پیر چلے گئے۔ پھر بھی جے پور کے منصوعی پیروں سے وہ نہ صرف مشہور ڈانسر ہی بلکہ فلمی اداکارہ بھی بنی۔ اس طرح بریلی بھی آنکھیں جانے کے بعد اندھے ہو کر اندھوں کے لئے ایک مخصوص طرز تحریر ”بریل“ ایجاد کرنے والا بڑا آدمی تھا۔ ہیلن کیلر جیسی دو شہزادہ بھی اندھی تھی مگر اندھوں کے لئے انہوں نے قابل تعریف کام کیا۔

معذورین نے اپنی معذوری پر ناامید ہونے کے بجائے اپنی صلاحیتوں سے خود کو ثابت کر دکھایا۔ ایسے معذورین پر ہم جو ہر طرح سے مکمل ہیں ان کا مذاق اڑانے یا ہنسنے کے بجائے ان کی مدد کریں۔ حکومت ان کے لئے مخصوص تعلیمی

ادارے قائم کر کے تعلیمی ترقی اور روزار کے حصول کے لئے انتظامات کر کے ان کی حوصلہ افزائی کرے۔

قول:

تمام کام ہر کوئی نہیں کر سکتا۔ ہر ایک میں کچھ نہ کچھ کمزوری یا خامی ہوتی ہے۔ اس کی ہمیں شناخت کرنا چاہئے۔ چند کو کسی کمزوری یا خامی مان لینا یہ کہاں تک درست ہے سوچئے۔ اگلے والے کی کمزوریوں یا خامیوں کی نشاندہی کرنے کے بجائے اس کی صلاحیتوں کی شناخت کرنا چاہئے۔

15۔ بھید بھاؤ نہ کرنا

- 1۔ اہم قدر : برابری، بھائی چارگی، عورتوں کی عزت کرنا
- II۔ ذیلی قدر : تمام کے لئے آپس میں بھائی چارگی، برابری جیسے تصور کا حامل ہونا
- III۔ مقاصد مطلوبہ نتائج : سب برابر ہیں کے تصور کو ذہن نشین کرنا
- ☆ ذات، مذہب، جنس، امیر، غریب جیسے بھید بھاؤ نہ کرتے ہوئے سب کی عزت کرنا سیکھنا چاہئے۔

IV۔ تمہید:

آپ اکیسے علیحدہ زندگی گذاریں تو اس کو سماج نہیں کہتے بلکہ ہم تمام مل کر رہیں تو وہ سماج ہے۔ اس طرح کے سماج میں رہنے والے سب ایک ہیں۔ اس میں کوئی بڑا یا چھوٹا جیسے بھید بھاؤ نہیں رکھنا چاہئے۔ ورنہ ہم دوسروں کی عزت نفس کی پامالی کے مترادف ہوگا۔ ان کے دل کو بھی ٹھیس پہنچے گی۔ ایسے بھید بھاؤ کا شکار ہونے والے دو عظیم ہستیوں کے واقعات پر غور کیجئے۔

V۔ موضوع

منظر۔ 1:

گانڈھی جی کو ایک مرتبہ ساؤتھ افریقہ میں ریل گاڑی سے سفر کا اتفاق ہوا۔ سفید فام انگریزوں کے لئے مختص کردہ ڈبے میں گانڈھی جی سوار ہو گئے۔ ایک سفید فام انگریز نے انہیں ڈبے سے یہ کہ کر نکال باہر کیا کہ ”ایک سیاہ فام ذات کا ہندوستانی ہمارے ڈبے میں کیسے سفر کر سکتا ہے؟ اس واقعہ سے انہیں بے حد تکلیف پہنچی۔ ان کی خودداری (عزت نفس) اور انسانیت کے جذبہ کو یہ انگریز نہیں سمجھتے یہ سوچ کر خاموش ہو گئے۔ اس تلخ تجربہ نے ہندوستانیوں کے وقار کو بحال کرنے کی گانڈھی جی کی کوشش کو مزید تقویت دی۔

منظر۔ 2:

ڈاکٹر امبیڈکر کو بچپن میں کلاس میں اپنے ساتھ طلباء کے ساتھ مل کر بیٹھنے کی اجازت نہیں تھی۔ کلاس کے کونے میں سب سے الگ زمین پر بچے ہوئے ٹاٹ کے تھیلے پر بیٹھ کر اپنا سبق حاصل کیا کرتے تھے۔ شیڈول کاسٹ (درج فہرست

قابل) ذات سے ان کا تعلق ہونے کی وجہ سے انہیں اس طرح کی تکلیف دی گئی۔ اس واقعہ کے ذریعہ ان کی ذات (شیڈول کاسٹ) درج فہرست قابل کے ناقابل بیان تکلیف کا احساس ہوا۔ اس واقعہ نے ہی ان میں دلت قوم کی بہتری کی جدوجہد کو جلا بخشی۔

(الف) سوچ۔ رد عمل ظاہر کرنا

1۔ اپنے تجربات کے ذریعہ ذیل کے جدول میں موجود انسان کس حد تک انسانی وقار کو حاصل کیا ہے یا کھویا ہے۔ صحیح باکس میں صحیح (✓) نشان لگائیے۔

بہت کم	کم	زیادہ	بہت زیادہ	شخصیت جن سے میں ملا ہوں
				خاکروب (جھاڑو دینے والا)
				گھریلو خدمت گار
				بھکاری
				رکشاراں (رکش چلانے والا)
				غریب آن پڑھ
				بھوکا بچہ
				زرعی مزدور
				باورچی
				بوڑھا
				مخصوص ہنرمند
				بچہ مزدور
				تعلیم یافتہ
				جسمانی معذور

2- ذیل کے عمل سے کیسے وقار فروغ پاتا ہے۔ صحیح () اور غلط (x) کا نشان لگائیے۔

آپ کے جو با اور وجوہات بیان کیجئے۔

وجہ	غلط	صحیح	کئے جانے والے کام
			کسی کو ذلیل کرتے ہوئے گفتگو کرنا۔
			دوسروں کو اپنے برابر تصور کرنا۔
			ساس، بہو کو تکلیف دینا۔
			خلوص و محبت سے بات کرنا۔
			کم تنخواہ یا مزدوری دینا۔
			عورتوں/ لڑکوں کو مساوی حقوق دینا۔
			ڈرا دھمکا کر قابو میں کرنا۔
			جہیز لینا۔
			رشوت لینا۔
			جانداروں کی حفاظت کرنا۔
			غیر اخلاقی پوسٹرس میں فرق بتانا۔
			ظلم و جبر سے لڑکی کو راضی کرنا۔
			قیدیوں کو اذیت دینا۔
			بچوں سے مزدوری کروانے کو روکنا۔
			غریب عوام کو مفت طبی سہولت پہنچانا۔

3- عورتوں کی عزت کرنا۔

ایک بار غور کریں گے۔

☆ گھر میں ماں کو باپ، گھر کے بزرگ اور بڑے بھائی عزت کیسا کیسا کی طرح کی جاتی ہے؟
☆ آپ کے پڑوسیوں کے گھروں میں عورتوں کی کتنی عزت کی جاتی ہے۔ کیا آپ نے کبھی غور ہے؟۔

☆ جس گھر میں عورتوں کی عزت نہ کی جاتی ہے اس گھر کی حالت کیسی ہوتی ہے۔

طلباء و طالبات سے یہ بات جان لیں کہ عدم مساوات جنسی بھید بھاؤ کی راہ ہموار کرتے ہیں اور جب بھید بھاؤ خطرناک صورتحال اختیار کرتے ہیں تو ظاہری یا باطنی طور پر تشدد کی راہ نکالتے ہیں۔

(ب) عمل کرنا۔ تجربات بیان کرنا

☆ آپ کے ماں باپ اور اساتذہ، گھر میں کام کرنے والے، باہر جھاڑ دینے والوں، رخصا کر رہے وغیرہ کی کسی بھید بھاؤ کے بغیر سب کی عزت کریں۔ سب کو ایک نظر سے دیکھیں۔ اس طرح کے عمل سے آپ کے محسوسات اور ان کا رد عمل کیا تھا۔ اس پر اپنی رائے ظاہر کیجئے۔

..... چاہیے.....

حق سے مراد ایک قسم کی آزادی ہے۔ جو ہمیں ورثہ میں ملی ہے۔ ہر شخص کو بنیادی حقوق آزادی حاصل ہے۔ ان میں سے آزادی سے جینے کا حق، سوچ و فکر، اظہار خیال کا حق، قانون کے سامنے تمام مساوی ہیں وغیرہ شامل ہیں۔ ”انسانی حقوق“ بہت اہمیت کے حامل ہیں۔ ”انسانی حقوق“ ہمیں حاصل ہونے سے پہلے..... ان حقوق اور آزادی کے لئے کتنے ہی لوگ اپنی جانوں کی قربانی دیئے ہیں۔ ہزاروں سال تک یہ جنگ جاری رہی۔ ابھی بھی جاری ہے۔ کئی سالوں تک ہمیں انسانی حقوق نہیں تھے۔ گذرتے وقت کے ساتھ ساتھ عوام کو یہ احساس روز افزوں ترقی کرتا گیا کہ ہمیں انسانی حقوق اور آزادی چاہئے۔

ابتداء میں صرف امیر ہی نئے رائج کردہ انسانی حقوق کے استعمال سے فائدہ حاصل کیئے۔ عوام کو کسی قسم کی حفاظت حاصل نہ تھی۔ کوئی حقوق نہیں تھے۔ انسانی تاریخ کا المیہ دوسری جنگ عظیم کے وقوع پذیر ہونے کے بعد دنیا کے اہم ممالک نے انسانی حقوق کی اہمیت کو سمجھ کر اس کو تشکیل دینے کی ٹھان لی۔ اس طرح انسانی حقوق کا مسودہ تیار ہوا۔ کئی سالوں سے دیکھ جانے والے خواب شرمندہ تعبیر ہوئے۔ یہ حقوق کا مسودہ ”عمودی انسانی حقوق کا فرمان“ سے مشہور ہوا۔ اسی عمومی انسانی حقوق کے ذریعہ ہمیں 30 حقوق حاصل ہوئے۔ وہ یہ ہیں۔

۱۔ کفایت سے ہم اپنی آزادی مساوات حاصل کریں

۲۔ بھید بھاؤ نہ دکھائیں

۳۔ زندگی گزارنے کا حق

۴۔ غلامی نہیں

۵۔ تشدد اور ظلم کو جگہ نہیں

۶۔ کہیں بھی گھومنے پھرنے کی آزادی کا حق

۷۔ قانون کے آگے سب برابر ہیں

۸۔ قانون انسانی حقوق کی حفاظت کرتا ہے

۹۔ کسی کو بھی قید نہیں کرنا

۱۰۔ معلومات کا حق

۱۱۔ جرم ثابت ہونے تک سب بے گناہ ہیں

۱۲۔ تنہا جینے کا حق

۱۳۔ آزادانہ برتاؤ کا حق

۱۴۔ پر تحفظ زندگی کے حامل محفوظ مقام کا حق

۱۵۔ قومیت کا حامل ہونا

۱۶۔ شادی۔ خاندان کا حق

۱۷۔ ذاتی چیزوں کا حق

۱۸۔ آزادانہ تصور

۱۹۔ اظہار خیال کی آزادی

۲۰۔ عوامی جلسہ، اجلاس منعقد کرنے کا حق

۲۱۔ جمہوری حق

۲۲۔ سماجی تحفظ

۲۳۔ مزدوری کا حق



- ۲۴۔ کھیل کا حق
۲۵۔ سب کو غذا۔ مکان
۲۶۔ تعلیم کا حق
۲۷۔ حق تالیف۔ Copyright۔
۲۸۔ قابل ترجیح آزاد دنیا۔
۲۹۔ ذمہ داری۔
۳۰۔ انسانی حقوق سے دستبردار نہ کرنے کا حق۔

قول:

فطرت و قدرت میں ہوا، پانی، سورج کی روشنی، زمین، درخت وغیرہ میں امیر، غریب، کم، زیادہ، عورت، مرد جیسے فرق رہید بھاؤ نہیں ہے۔ تو پھر انسان میں ہی یہ اختلاف کیوں ہے؟۔



16- حب الوطنی

- 1- اہم قدر قومیت کا تصور۔ حب الوطنی۔
- 2- ذیلی قدر حب الوطنی اور قومیت کے تصور کے حامل ہونا۔
- 3- مقاصد مطلوبہ نتائج

- ☆ حب الوطنی کسے کہتے ہیں۔ آگاہی حاصل کریں گے۔
- ☆ محبت وطن شخصیتوں کی تاریخ سن کر ترغیب حاصل کریں گے۔
- ☆ حب الوطنی کے جذبہ کو فروغ دینا۔ ممکنہ حد تک عمل کرنا۔

نہ کیوں ہو ہمیں جاں سے پیارا وطن
ہے جنت کا کلٹرا ہمارا وطن
سہانا سہانا ہے سارا وطن

ہمارا وطن پیارا پیارا وطن
پہاڑ اس کے ہیں جاں فزا کس قدر
سے اس کی ہیں خوش نما کس قدر
ہے جنت کا گویا نظارا وطن
ہمارا وطن پیارا پیارا وطن

اس نظم کے ذریعہ شاعر حب الوطنی کیا ہے صاف صاف طور پر بیان کیا ہے۔ کچھ لوگ آزادی کی تحریک میں پیش آنے والے واقعات کو ہی حب الوطنی سمجھتے ہیں۔ ملک کی حفاظت کرنے سے جانوں کی قربانی دینے سے مقابلہ کرنے سے ہی انہیں آزادی حاصل ہوئی ہے۔ اب ہم اپنے ملک کا نظم و نسق چلا رہے ہیں۔ حب الوطنی کی ہمیں کیا ضرورت ہے۔ ایسا

سوچنا ہماری کم ظرفی ہوگی۔ ملک کی ترقی میں پورے جذبہ کے ساتھ حصہ لینا۔ ملک کی عظمت کو بڑھاوا دینے والے کام کرنا۔ ہر ایک اپنے اپنے فرائض، ذمہ داریوں کو خوش اسلوبی سے انجام دینا بھی حب الوطنی کہلاتا ہے۔
اب ہم چند حب الوطنی سے متعلق واقعات جانیں گے۔
موضوع:

واقعہ-1:

7 اکتوبر 1930ء کو ایک خصوصی عدالت نے گروسکھ دیو بھگت سنگھ کو موت کی سزا سنائی۔ اپنے بیٹے بھگت سنگھ کی جان کی امان کیلئے ان کے باپ سردار کشن سنگھ نے اسپیشل ٹریبونل میں اپیل کی۔ اس بات کا پتہ جب بھگت سنگھ کو ہوا تو انہوں نے اپنے باپ کو خط لکھا ”میں حیران ہوں کہ مجھے لاہور واقعہ سے بچانے کے لئے آپ نے اسپیشل ٹریبونل میں اپیل داخل کی جس نے ملک کو غلامی کی زنجیروں سے آزاد کرانے کے لئے اپنی زندگی کو وقف کر دیا۔ کیا وہ آپ نہیں ہیں! پھر آپ ایسا کیسے کر سکتے ہیں۔ مجھے بے حد تکلیف ہوئی ہے۔ امی جان.....! یہ بات میرے دل کو کبھی گوارا نہیں ہے کہ میں کورٹ کے سامنے بے قصور ہوں کہہ کر حلفیہ اقرار کروں اور کسی طرح چھٹکارا پاؤں مجھے کبھی یہ منظور نہیں۔ آپ کا بیٹا ہونے کے ناطے میں آپ کی امیدوں اور خواہشات کی عزت کرتا ہوں۔ مگر میری زندگی اتنی قیمتی نہیں ہے جیسا آپ سمجھتے ہیں۔ اتنی قیمتی نہیں جس کے لئے میں اصولوں کی قربانی دوں۔ ایسے وقت میں ملک میں انقلاب کی تحریک کو ٹھنڈی پڑنے سے روکنے کے لئے صرف ایک ہی راستہ ہے وہ ہے جان کی قربانی“۔ اس طرح بھگت سنگھ نے اپنے والد کو خط لکھا۔ بھگت سنگھ کا ایک ہی مقصد ”ملک کی آزادی“ ہے۔ اس مقصد کے حصول کیلئے چاہے کتنی ہی رکاوٹیں آئیں انہیں دور کرتے ہوئے آگے بڑھنا ہی ان کا عزم مصمم ہے۔ اپنے اسی عزم کے حصول کیلئے اپنی جان تک قربان کر دی یہ ہے بھگت سنگھ بہادر شہید بھگت سنگھ۔

واقعہ-2

ایک عظیم مقصد کے حصول کے لئے جینے والا شخص بے خوف و نڈر ہوتا ہے۔ اپنے اصولوں کی بازیابی کے لئے اپنی جان تک کی پروا نہیں کرتا۔ یہ ایسے جیالے ہیں جو اپنی زندگی کو ہنستے ہنستے قربان کرنے جیسا دلیرانہ اقدام کرتے ہیں۔ چندر شیکھر آزاد جب 15 سال کے بچے تھے تب سے ہی آزادی کی تحریک میں حصہ لئے۔ ”وندے ماترم“ تحریک میں حصہ لینے پر انہیں گرفتار کر کے کورٹ میں پیش کیا گیا۔ کورٹ میں انگریز جج نے کرخت لہجے میں سوال کیا۔

’تمہارا نام؟‘

’آزاد‘

’باپ کا نام؟‘

’آزادی‘

کیا ہے سیدھا جواب دو، تم کو پتہ ہے تم کو کورٹ کی توہین کر رہے ہو؟ تمہارا گھر کہاں ہے؟
’جیل‘ آزاد نے بے خوف ہو کر جواب دیا۔
مجسٹریٹ انہیں کوڑے مارنے کی سزا سناتا ہے۔

’بس اتنا ہی‘ آزاد نے کہا۔

کوڑے مارنے سے کھال ادھیڑ رہی تھی، خون رس رہا تھا۔ آزاد جو ابھی چھوٹے بچے ہی تھے بے خوف، نڈر ہو کر
’وندے ماتر‘ کہا لیکن افسوس نہیں کیا۔ چہرے پر تکلیف کے آثار نہیں تھے۔ اس انقلاب کے سپاہی نے بعد میں انگریزوں
کی نیندیں حرام کر دی جب تک وہ زندہ رہے پولیس انہیں ہتھکڑیاں نہیں پہنا سکی۔

واقعہ-3

سوامی رام تیرتھ اپنے جاپان کے دورہ کے موقع پر صرف پھلوں پر ہی گزارہ کر رہے تھے۔ ایک دن کسی ضرورت کے
تحت ریل گاڑی سے لمبا سفر طے کرنا پڑا۔ دوران سفر اسٹیشن پر پھلوں کی تلاش کی مگر نہیں ملے۔ اس طرح اگلے اسٹیشن اور
دوسرے اسٹیشن پر متواتر تلاش کیا مگر پھل انہیں کہیں نہیں ملے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے آپ سے کہا کہ شاید جاپان میں پھل
نہیں ہوں گے۔ ان کی یہ بات ایک جاپانی نوجوان نے سن لی۔ پھر وہ دوڑتے ہوئے گیا اور کچھ دیر بعد پھلوں کی ٹوکری کے
ساتھ ریل چھوٹنے سے پہلے لوٹ آیا اور سوامی جی کو وہ پھلوں کی ٹوکری تھادی۔ سوامی جی پہلے تو بہت حیران ہوئے پھر اس
لڑنے سے ان پھلوں کا دام پوچھے۔ اس نوجوان نے مسکرا کر جواب دیا۔ ’’دام‘‘ کچھ نہیں صرف آپ جب اپنے ملک کو
واپس جائیں تو بس صرف یہ نہیں کہنا کہ جاپان میں پھل نہیں ملے۔ یہی اس کا دام ہیں۔ سوامی جی اس لڑکے کی حب الوطنی
کے جذبہ سے بہت متاثر ہوئے۔

ڈاکٹر انصاری ایک بار ہندوستان سے فرانس گئے۔ وہاں پر وہ ایک مرتبہ وسیع و کشادہ راستہ پر پیدل چل رہے تھے۔ جب وہ اپنے ہاتھ جیب میں ڈالے تو ان کے ہاتھ ایک پرچی لگی۔ وہ پرچی کس کام کی نہ ہونے سے اسے موڑ کر گولی بنا کر راستہ میں پھینک دیا۔ تبھی پیچھے سے آتی ہوئی کاران کے آگے آ کر رکی اس کار سے ایک آدمی اتر اور اس کاغذ کو اٹھا کر بازو رکھے ہوئے کوڑے دان میں دال دیا اور ڈاکٹر انصاری کے قریب آ کر کہا ”میں پیرس شہر سے بہت محبت کرتا ہوں۔ یہ میرا وطن ہے اور اس کو صاف ستھرا رکھنا میری خواہش ہے۔“

۷۔ (الف) سوچنا - رد عمل کا اظہار کرنا

حب الوطنی کے معنی آپ کیا سمجھ رہے ہیں؟
 درج بالا واقعات سے آپ کیا سبق حاصل کئے ہیں؟
 بھگت سنگھ کی حب الوطنی کے واقعہ سے آپ کس نتیجے پر پہنچے؟
 ہمارے ملک کو ہم مادر وطن کہتے ہیں کیوں؟ پھر ایسی مادر وطن کی ہمیں کس طرح دیکھ بھال کرنا چاہئے؟
 ملک کے لئے جینے سے کیا مراد ہے؟
 ملک کے لئے آپ کیا کرنا چاہتے ہیں؟
 ”تیرے ملک کا ورثہ میرے لئے باعث فخر ہے“ سے کیا مراد ہے؟

(ب) عمل کرنا۔ تجربات بیان کرنا

ملک کے لیے جان کی قربانی دینے والی عظیم شخصیتوں کے بارے میں جائیے۔ ان کی تفصیلات درج کیجئے۔ اپنے خیالات کا اظہار کیجئے۔
 2۔ بھارت رتن کا خطاب کیوں دیا جاتا ہے؟ کسی بھارت رتن ایوارڈ حاصل کرنے والی شخصیت کی تفصیلات حاصل کرتے ہوئے بیان کیجئے۔

قیمت کتنی ادا کریں؟

دنیا می سورج کی روشنی، تازہ ہوا، بارش کا پانی کے علاوہ باقی تمام چیزوں کے لیے جب تک پیسے ادا نہ کریں تو ہاتھ نہیں آتی۔ ہر چیز کی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے۔ گرما میں چند مقامات پر ایک روپیہ میں ایک گھڑ پانی فروخت ہوتا ہے۔ دانت مانجنے کی مسواک سے لے کر کونلہ کے تھیلے تک، کول ڈرنک (مشروبات) کے شیشے وغیرہ کے لیے پیسے دے کر ہی حاصل کرتے ہیں۔ پیسے اگر کل ادا کرنے کو کہیں تو چیز بھی کل لینے کے لئے کہا جائے گا۔

گھر میں رہنے کیلئے پیسے، فون میں بات کریں تو پیسے، اس طرح ہر نقل و حرکت پر پیسے ادا کرتے چلے جا رہے ہیں۔ دواؤں سے لے کر ڈاکٹر سے گفتگو کرنے کی فیس بھی ادا کرتے ہیں۔

تو پھر مل کے ایک زمینی حصہ پر زندگی گزارنے کے لیے، اس ملک کی سرزمین میں فصل لگانے کے لئے، اس سرزمین میں گھر بنانے کیلئے۔ اس کے آبی وسائل سے پیاس بجھانے کے لیے اس کی فضاؤں کی مہک سے محفوظ ہونے کے لئے، کیا ہم قیمت ادا کر رہے ہیں؟

”اس کی قیمت کیا ہوگی“ یہ تشویش یا خیال چند لوگوں کو آتا ہے۔ ماں کو بیٹے کی پرورش کا کیا مول ہوگا۔ تو اس کا کیا جواب دیں گے؟ ماں اپنے خون کو دودھ میں تبدیل کر کے اپنے بیٹے کو پال پوس کر بڑا کرنے کی کیا قیمت ہوگی؟ روپیہ پیسے سے یہ ادا نہیں کر سکتے، انمول ہے۔

انہوں نے کچھ نہ ہونے کے باوجود اپنی سرزمین مادر وطن کی خدمات کی کیا قیمت لگائیں گے؟ کتنی رقم چکائیں؟ کس شکل میں ادا کریں؟ جیسے موضوعات کو دل میں جگہ دینے کی ضرورت ہے۔

”یہ از خود میسر آنے والے مواقع ہیں۔ مفت میں دستیاب ہیں۔ جس کے لیے ہمیں کچھ بھی ادا کرنے کی ضرورت نہیں۔ ایسا چند لوگوں کا ماننا ہے جو بھاری غلط فہمی ہے۔ دوائیں دینے اور اس سے گفتگو کرنے پر ڈاکٹر کو Consulting Fees ادا کرتے ہیں تو کیا ہمارے وجود کو اتنے وسال فراہم کرنے والی سرزمین کو کچھ ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہے؟

ملک کے معنی بے زبان زمین کا ٹکڑا نہیں بلکہ ہمیں روزمرہ نظر آنے والا زندہ سماج ہے۔ اس سماج کی حفاظت میں ہی میرا تحفظ مضمر ہے۔ جیسا تصور، مجھ میں موجود صلاحیتیں فراست..... یہ تمام چیزیں صرف اپنے لیے ہی نہیں بلکہ سماج کے لئے بھی استعمال کروں گا جیسے تصور کو روزمرہ اپنے دل میں لانے کو ہی حب الوطنی کہتے ہیں۔

قول:

ملک نے مجھے کیا دیا ہے سوچنے کے بجائے یہ سوچنا چاہئے کہ میں نے ملک کو کیا دیا ہے۔ کسی بھی ملک کی عظمت اور امن کا وقار اس کے اپنے شہریوں کا نصب العین اور فرائض کی انجام دہی پر منحصر ہوتا ہے۔ اچھے شہریوں کا حامل ملک عظمتوں کی بلندیوں پر کھڑا ہوتا ہے۔ پوری دنیا کیلئے مثال بنتا ہے۔ اس لئے بچوں کو ایک محب وطن شہری بن کر ملک کی ترقی میں شامل ہوں

17۔ تمام مذاہب کا خلاصہ ایک ہے

- I۔ اہم قدر : غیر مذہبی۔ مذہبی رواداری
- II۔ ذیلی قدر : دیگر مذاہب سے متعلق فہم کا حامل ہونا۔
- III۔ مقاصد مطلوبہ نتائج : ہمارے ملک میں موجود مختلف مذاہب کے بارے میں جانیں گے۔

IV۔ تمہید

خدا کے بارے میں بتلانے والا راستہ یا پھر عقیدہ ہی مذہب ہے۔ یہ مذہب ہمیشہ سب کو اچھائی کا درس دیتا ہے۔ ہماری زندگی کو سنوارنے، بہتر طریقہ پر گزارنے کی راہ دکھلاتا ہے۔ ہر کوئی یہ بات جان لے کہ ہر مذہب عظیم ہوتا ہے۔ اس لئے ہر مذہب کے بارے میں ہم جان لیں اور اس کے تئیں آگاہی حاصل کریں۔

V۔ موضوع

ہمارے گاؤں کی کہانی:

گر میوں کی چھٹیوں میں رادھا پانی نانی کے گاؤں گئی۔ اس کے دوست، شیلہ، فاطمہ، روزی وغیرہ آکر رادھا سے ملے۔ باتوں باتوں میں ان لوگوں کا ایک دوسرے کو بہن، بہن، آپا، باجی وغیرہ سے مخاطب کرتے ہوئے دیکھ کر حیرانی ہوئی اور اس بات کو ظاہر بھی کر دیا۔ اس کی حیرانی دور کرتے ہوئے شیلہ نے رادھا سے کہا کہ تم کبھی کبھی یہاں شہر سے چھٹیاں گزارنے آتی ہو تمہیں کو یہاں کے حالات کا علم نہیں۔ میں تم کو میرے گاؤں کے بارے میں بتلاتی ہوں سنو!

میرے گاؤں میں ریڈی، کتنا، بلجا، ویشا، برہمن وغیرہ ذاتیں، مسلم، عیسائی وغیرہ مذاہب کے لوگ رہتے ہیں۔ تمام لوگ ایک دوسرے کو رشتے ناطوں سے مخاطب کرتے ہیں۔ ہندو مسلم سب لوگ مل کر محرم (جشن علم) مناتے ہیں۔ رمضان کے مہینے میں عید الفطر کے دن شیر قور ماسب مل کر پیتے ہیں۔ قادر بی کو ہم قالہ کہہ کر پکارتے ہیں۔ قادر بی میرا ماں کو بہت چاہتی ہیں۔ امی کو وہ آپا کہہ کر مخاطب کرتی ہیں۔

تب ہی فاطمہ نے مداخلت کرتے ہوئے رادھا کو سمجھایا کہ ہم بھی تمہاری عیدوں دسہرہ، دیپاولی، پورنیا وغیرہ کے دن ان کے گھر جاتے ہیں۔ آٹے سے بنی ہوئی چیزوں کو آپس میں مل بانٹ کر کھاتے ہیں۔ اتنا ہی نہیں، ہم کھیلتے وقت ہر ایک کے گھر سے ہر کوئی کھانے کی چیز، بریانی، دہی کھانا، دال کھانا، کھٹا کھانا لاتے ہیں اور مل بانٹ کر کھاتے ہیں۔ روزی نے بھی اس گفتگو میں شامل ہوتے ہوئے کہا کہ ”ہم بھی ہندو اور مسلم کے تہواروں اور دیگر موقعوں پر شرکت کرتے ہیں۔ وہ بھی ہمارے تہواروں میں جوش و خروش سے حصہ لیتے ہیں حقیقت میں ہمارے گاؤں میں یہ میرا مذہب، وہ تیرا مذہب جیسا بھید بھاؤ نہیں ہے۔ سب ہی مذاہب ہمارے ہیں۔ سبھی تہوار ہمارے ہیں۔ صرف عیدیں ہی نہیں بلکہ ہم تمام بچے مل کر کئی قسم کے کھیل کھیلتے ہیں۔“

شیلانے کہا کہ (محرم، پورنیا، سنگرائتی، جانوروں کی عید، کرمس وغیرہ میں شرکت کرنے کے لئے میرے والد سب کو بلاتے ہیں۔ ان کی ہمت افزائی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس سے اتحاد، مساوات، مذہبی رواداری، دوستانہ تعلقات فروغ پاتے ہیں اور ان کا کہنا ہے کہ چھوٹے بچوں کے دلوں میں اچھے تصورات کے بیج نہیں بوائے جاتے ہیں۔ یہ تمام سنتے ہوئے رادھا بہت حیران ہوئی۔ ذات پات کے بھید بھاؤ کے بغیر آپس میں رشتے داروں کی طرح مل جل کر رہنے والے اس گاؤں والوں کو اور گاؤں والے دل سے سراہنے لگے اور اپنے آپ کو ان کے ساتھ مل کر رہنے والی خوش نصیب سمجھے۔

VI- (الف) سوچنا - رد عمل کا اظہار کرنا

سبق میں بیان کئے گئے مذاہب کونسے ہیں؟ اس کے علاوہ دیگر مذاہب جن سے آپ واقف ہوں بیان کیجئے؟
 گاؤں کے تمام مذاہب والے مل جل کر رہتے ہیں؟ اس طرح رہنے سے کہا ہوگا بتلائیے؟
 ہمارا مذہب ہی عظیم ہے؟ اگر اس طرح ہر کوئی کہنے لگو تو کیا ہوگا؟
 ”تمام مذاہب کا خلاصہ ایک ہے“ سے کیا مراد ہے بحث کیجئے؟
 آپ دیگر مذاہب والوں کے ساتھ کس طرح رہ رہے ہیں؟ وہ لوگ تمہارے ساتھ کس طرح رہتے ہیں؟ کس طرح رہنا چاہئے بتلائیے؟

ہندوستان غیر مذہبی حکومت ہے دستور میں اس کی صراحت ہے۔ اس کا کیا مطلب ہے؟

(ب) عمل کرنا۔ تجربات بیان کرنا

1۔ دیگر مذاہب والوں سے دوستی کیجئے؟ ان کے تہواروں، تقاریب میں شرکت کیجئے اور اپنے تاثرات کا اظہار

کیجئے؟

2۔ کونسا مذہب کیا کہتا ہے، تفصیل جانئے اور اس میں یکساں ہونے والے بیانات کی شناخت کیجئے۔

..... جانئے.....

مختلف مذاہب کے بارے میں جانیں گے

ہمارا ہندوستان مختلف مذاہب کی تہذیب کا گہوارہ ہے۔ اس لئے ہمارے ملک کو ”مختصر دنیا“ Mini World بھی کہتے ہیں۔ کتنے ہی مذاہب اور مختلف تہذیبوں کا گہوارہ ہمارا ملک ”ہندوستان“ قومیت کے اصول کے تحت ہم مل جل کر زندگی گزار رہے ہیں۔ سب کے لئے ایک مثال ثابت ہو رہے ہیں۔ ہم آپس میں مل جل کر رہے ہیں اسی لئے ہم کو ہمارے مذاہب کے بارے میں کم از کم معلومات ہونا ضروری ہے۔

ہمارے ملک میں ہندو، مسلم، عیسائی، جین مت، بدھ مت، سکھ وغیرہ اہم مذاہب ہیں۔ ایک مذہب کے بارے میں مختصر جان لیں گے۔

ہندو: اس کو سنا تن دھرم بھی کہتے ہیں۔ ہندوستان کا یہ قدیم مذہب ہے۔ دیگر مذاہب کی طرح اس کو مخصوص پیغمبر نہیں ہے۔ ان میں شیو بھگت، ویشنو بھگت وغیرہ جیسے قسم قسم کے بھگت دکھائی دیتے ہیں۔

ان کی پہلی مقدس کتاب ”بھگوت گیتا“ ہے۔ رامائن، مہا بھارت، بھاگوت وغیرہ رہنمائی کرنے والی مقدس کتابیں ہیں۔ ان کی عبادت گاہیں ”مندر“ ہیں۔

یہ لوگ دسہرہ، دیہ پاولی، اگادی، سگرانتی، ہولی وغیرہ تہوار مناتے ہیں۔

شراب پینا، جوا کھیلنا، دوسروں کو دھوکہ دینا، جانوروں، پرندوں اور حشرات کو اذیت دینا، جھوٹ بولنا، بزرگوں کی توہین کرنا، ماں باپ کی خدمت نہ کرنا، غیر قانونی طریقہ سے کمانا، مذہب کے اصولوں کی خلاف ورزی کرنا جیسی باتوں سے منع کیا گیا۔ امتیازی طور پر تشفی بخش زندگی گزارنے، غریبوں کی امداد کرنے، مہمان کی عزت کرنے کو بتلایا گیا ہے۔

اسلام: اسلام مذہب کو ماننے والوں کو مسلم کہتے ہیں۔ یہ مذہب عرب کے شہر ”مکہ“ سے پھیلا۔ مکہ ان کا مقدس مقام

ہے۔ اس مذہب کے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ان کی مقدس کتاب قرآن مجید ہے۔ ان کا اہم مقصد روزانہ پنج وقت نمازوں کی پابندی کرنا ہے۔ ان کی عبادت گاہ مسجد ہے۔

یہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ تہوار مناتے ہیں۔

اس مذہب میں شراب پینے، دوسروں کی توہین نہ کرنے، ماں باپ و رشتہ داروں سے حسن سلوک ادا رکھنے والا اللہ کی خوشنودی حاصل کر سکتا ہے۔ سودی لین دین نہیں کرنا۔ حسب استطاعت غریبوں کی مدد کرنا۔ نا انصافی کو برداشت نہیں کرنا وغیرہ جیسے امور کا درس دیتا ہے۔

عیسائی: یسوع مسیح کو ماننے والوں کو کرسچین یا عیسائی کہتے ہیں۔ یہ مذہب براعظم یورپ میں پیدا ہوا۔ ان کا مقدس مقام ”ٹیکن سٹی“ ہے۔ اس مذہب کے پیغمبر یسوع (Jesus) ہیں۔

ان کی مقدس کتاب ”بائبل“ ہے۔ ان کی عبادت گاہ ”چرچ“ ہے۔

کرسمس، باکنگ ڈے، گڈ فرائی ڈے، ایسٹر وغیرہ ان کے مقدس تہوار ہیں۔

یہ مذہب ہمیں دوسروں کی مدد کرنا، غلط عادتوں کے غلام نہ بننا، غریبوں پر رحم، ہمدردی دکھانا، تکلیف میں مبتلا لوگوں کو سہارا دینا، خدا نے جو موقع عنایت کیا ہے اس کا صحیح استعمال کرنا جیسے امور کا درس دیتا ہے۔

چین مت: مہاویر کو ماننے والے چینی کہلاتے ہیں۔ یہ مذہب ہندوستان میں پیدا ہوا ہے۔ اس کے پیغمبر کو ”مذہبی پیشوا“ کہتے ہیں۔

ان کی مقدس کتاب ”آگامو“ ہے۔ ان کا مقدس تہوار ”مہاویر جینتی“ ہے۔

اپنے ساتھ رہنے بسنے والے لوگوں کی مدد کرنا، اندھے اعتقادات سے دور رہنا۔ ایمان داری اور انصاف سے جینا۔ جسمانی صحت کو برقرار رکھنے والی غذاؤں کا استعمال کرنا۔ نظم و نسق کے ساتھ جینے وغیرہ جیسے امور کا درس دیتا ہے۔

بدھ مت: بدھ کے ماننے والوں کو ”بودھی“ کہتے ہیں۔ یہ ہندوستان میں ہی پیدا ہونے والا مذہب ہے۔ ان کی

مقدس کتاب ”تری بھٹی کالو“ ہے۔ ان کا مقدس تہوار ”بدھ جینتی“ ہے۔

چوری نہ کرنا، اہنسا کے راستے پر چلنا، سچ بولنا، تمام انسان برابر ہیں مذہب کی پناہ لینا۔ بدھ کی پناہ میں آنا وغیرہ امور کا درس دیتا ہے۔ خواہشات ہی تباہی کی جڑ ہے وغیرہ۔

سکھ: گردونا تک کے ماننے والوں کو سکھ کہتے ہیں۔ یہ ہندوستان میں پیدا ہونے والا مذہب ہے۔ اس کے پیغمبر کو

گردونا تک گووند سنگھ“ کہتے ہیں۔

ان کی مقدس کتاب کو ”گرو گرنٹھ صاحب“ یا ”آدی گرنٹھ“ کہتے ہیں۔

ان کا مقدس تہوار ”بیساکھی“ ہے۔

ان کی مقدس جگہ ”امر تسر“ ”سنہرا گردوارا“ Golden Temple ہے۔

باہمت و حوصلہ سے زندگی گزارنا، دشمن کو صحیح راستے پر لانا۔ اپنی حفاظت آپ کرتے ہوئے دس آدمیوں کو بچانا۔

بھوکے کو کھانا کھلانا، سچائی پر قائم رہنا وغیرہ کا درس یہ مذہب دیتا ہے۔

بچو! سن لئے آپ.....! دنیا میں کئی مذاہب ہیں۔ آپ جتنے بھی مذاہب کے بارے میں سنے ہیں کیا کوئی مذہب غلط درس

دیتا ہوا دکھائی دیا۔ غلط راہ چلنے کی تلقین کرتا ہوا دکھائی دیا۔ نہیں نا.....! تمام صحیح درس دیتے ہیں۔ تمام مذاہب صحیح راستہ

دکھاتے ہیں۔

قول:- مذہب انسان کو صراطِ مستقیم پر چلنے میں مدد دیتا ہے۔

18۔ اچھا خاندان

- I۔ اہم قدر : جمہوریت
 II۔ ذیلی قدر : خاندان میں جمہوری قدروں، اقدامات پر آگاہی حاصل کرنا۔
 III۔ مقاصد، مطلوبہ نتائج:

جمہوری اقدار کے بارے میں معلومات حاصل کر کے وہ خاندانوں میں کسی حد تک رو بہ عمل ہیں۔ فہم حاصل کرنا۔
 اس کے بعد بچوں کو خاندان میں ان کا مقام اور کردار کو بتلانا۔

IV۔ تمہید:

خاندان سے مراد ماں باپ، بچے وغیرہ سب مل کر ہنسی خوشی رہنے کی جگہ ہے۔ جس میں ہر ایک فرد ایک دوسرے پر منحصر ہو کر زندگی گزارتا ہے۔ مل جل کر زندگی گزارنے پر ایک دوسرے کی بات کو اہمیت دینا، سننا، عزت دینا تمام کو باہم ساتھ لے کر چلنا چاہئے۔ تبھی خاندانی نظم ہنسی خوشی سے آگے بڑھتی ہے۔ یہاں تھوڑی سی بھی کمی بیشی، عدم مساوات واقع ہونے پر وہ خاندان درہم برہم ہو جاتا ہے۔

جمہوری اقدار میں سب سے اہم آزادی مساوات، بھائی چارگی، سوال کرنا، مشترکہ فیصلے لینا۔ اس کا عکس جب خاندانوں میں نظر آئے تو سماج تقویت پاتا ہے۔ جمہوری اقدار خاندان میں کس طرح پائے جاتے ہیں ذیل کے دو خاندانوں کے ذریعہ مشاہدہ کیجئے۔

V۔ موضوع:

(الف) لنگیا کا خاندان

لنگیا کے خاندان میں بیوی اور دو بچے شامل ہیں۔ لنگیا مزدوری کرتا تھا۔ جتنا کما تھا اس میں آدھے رقم کی شراب پی جاتا تھا۔ باقی کی رقم گھر میں خرچ کے لئے دیتا تھا۔ لنگیا کی بیوی لکشمی اتنی کم رقم میں گزارہ مشکل ہونے کی وجہ سے وہ بھی کام پر جانے لگی۔ لنگیا وہ رقم بھی کھینچ لیتا تھا۔ خبردار گھر میں جو بھی خرچ کرنا ہو مجھ سے پوچھ لینا.....! کہتا تھا۔ اگر اس کے

برخلاف ہوا تو بے تحاشہ مارتا اور پیٹتا ہے۔ لکتیا کے بچے سرینو، نرملہ وغیرہ باپ کو دیکھتے ہی گھبرا کے چپ ہو جاتے تھے۔ انہیں کچھ بھی ضرورت ہو تو پوچھنے سے ڈرتے تھے۔ ان کی ماں لکشمی چھپا کر جمع کی گئی رقم سے ان کی ضرورت پوری کر دیتی تھی۔ لکتیا چاہے کچھ بھی کرے اسے پوچھنے والا کوئی نہ تھا۔ اس طرح طرہ امتیاز یہ کہ باہر لوگوں میں کہتا پھرتا تھا کہ میرا خاندان دیکھو جتنا کہتا ہوں اتنا ہی کرتے ہیں۔ میری بات سنتے ہیں۔ میرے فیصلے کے خلاف نہیں جاتے۔ اس طرح فخریہ انداز میں کہتا پھرتا تھا۔

(ب) راجیا ایک زرعی مزدور تھا۔ اس کی بیوی کا نام سپنا تھا۔ راجیا کو مدھو، لکشمی دو لڑکیاں ہیں۔ راجیا روزانہ محنت کر کے رقم لے کر آتا تھا اور رقم سپنا کو دے دیتا تھا۔ سپنا رقم کو اچھی طرح رکھتی تھی۔ راجیا رقم خرچ کرنے اور مہینے میں زائد خرچوں کے بارے میں سپنا سے پوچھتا تھا۔ سپنا بھی گھر کے خرچ کے علاوہ دیگر اخراجات ہوں تو بتلا دیا کرتی تھی۔ راجیا کیا خرچ کرنا ہے سب سے پوچھ کر کرتا تھا۔ بچے بھی اپنی ضروریات کو اپنے والد سے آزادانہ طور پر بتلا دیا کرتے تھے اور وہ بھی انہیں خرید کر دیتا تھا۔ اس کے علاوہ کیا ہونا ہے کہاں جانا ہے۔ تمام سے صلاح مشورہ کر کے راجیا فیصلہ لیتا تھا۔ گھر والوں کو اس سے کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ ہو وہ خوش و خرم رہیں یہی اس کی یہی خواہش تھی۔ راجیا سے اگر کوئی پوچھے کہ کیا راجیا تمہارا رقم صرف گھر میں ہی خرچ کرو گے۔ اتنی محنت سے کماتے ہو۔ تم اچھا مزے سے خرچ سکتے ہو۔ تو راجیا نے کہا۔ اپنی غرض کے لئے ہم پر اعتماد کرنے والوں کو تکلیف دینا ہماری کمزوری اور گناہ ہے۔ میرے خاندان کی خوشی میں ہی میری خوشی ہے۔ اس گھر میں ہر ایک کو آزادی ہے۔ وہ جو سوچتا تھا دوسروں کو بتلا کر گفتگو کر کے فیصلہ لیتا تھا۔ ایسے خاندان میں جمہوریت ہو تو افراد بے خوف ہو کر اپنے خیالات کا اظہار کر سکتے ہیں۔ خوف پابندی نہیں۔ افراد کے درمیان بھروسہ قائم ہوتا ہے۔ اس طرح کے خاندانوں میں جھوٹ بولنا، چوری کرنا وغیرہ نہیں ہے۔ ایک دوسرے کو عزت دیتے ہیں۔ کبھی کسی سے غلطی ہونے پر جمہوری انداز میں خاندان میں بتلایا جاتا ہے۔

VI۔ (الف) سوچنا - ردعمل کا اظہار کرنا

لکتیا کا ایک طرفہ فیصلہ لینا کیا یہ صحیح عمل ہے؟ آپ کیا کہتے ہیں؟
 سب سے صلاح مشورہ کرے فیصلہ لینا اچھا ہے؟ یا یک طرفہ فیصلہ لینا اچھا ہے؟ آپ کس کی تائید کرتے ہیں بتلائیے؟
 آپ کے گھر یا اسکول میں لئے جانے والے فیصلوں میں کیا آپ کو شامل کیا جاتا ہے؟ آپ کا کیا خیال ہے؟
 آپ کے گھر میں کون کونسے معاملات میں آپ کی صلاح لی گئی؟
 راجیا کے خاندان اور آپ کے خاندان کا تقابل کر کے بتلائیے؟

(ب) عمل کرنا۔ تجربات بیان کرنا

☆ آپ ایک ہفتہ اپنے گھر مشاہدہ کیجئے۔ آپ کے خاندان میں لئے گئے فیصّے کیا ہیں؟ کس کس معاملے میں کس کس سے صلاح لی گئی لکھ کر لائیے؟

.....جانیے.....

جمہوریت کے معنی صرف انتخابات ہیں، ایک غلط فہمی ہے۔ جمہوریت سے مراد عوام کی طرز زندگی ہے۔ سماج میں ہونے والے مختلف کاموں میں عوام آزادی سے حصہ لینا اور مساویانہ زندگی گزارنا۔ ان کے خیالات کا آزادانہ طور پر اظہار کرنا، غلطی کرنے والے کی سرزنش کرنا، سوال کرنا یہ تمام جمہوریت کی خصوصیات ہیں۔ اس کے علاوہ عوامی قوت و کمزوری کی شناخت کر کے سماج کی بھلائی کے لئے مشترکہ فیصلے لینا۔ جمہوری ملک میں ہوتا ہے۔ اس میں عوام کو دستور کی رو سے چند حقوق عطا کئے گئے ہیں۔ ہماری آزادی، ہماری قائم کردہ حکومت کے ذریعہ عطا کردہ حقوق کو جاننا اور اس کے تئیں ہماری ذمہ داری کو محسوس کرنا اور اس پر عمل کرنا جمہوری ملک کے عوام کا کام ہے۔

ہندوستان ایک عظیم جمہوری ملک ہے۔ ہمارے اس ملک ہندوستان میں تمام شہری آزادی مساوات، بھائی چارگی سے جنیں۔ عدم مساوات پر آواز اٹھائیں۔ اپنے خیالات کا اظہار کرنا۔ کئی موقعوں پر ہمارے سامنے کچھ بھی ہو تو ہمیں کیا کرنا ہے جیسی لاتعلقی فروغ پارہی ہے۔ ہم اگر غلط دیکھیں تو اسے بتلائیں۔ غلطی کرے والے اور ہمیں تکلیف میں مبتلا کرنے والے چاہئے وہ کسی بھی حیثیت یا رتبہ والے ہوں سوال کرنا چاہئے۔ ہماری تہذیب اور مشترکہ طور پر لئے جانے والے فیصلوں کو عزت دینا چاہئے۔ تمام مذاہب کے تئیں مذہبی رواداری کے حامل ہو کر بھائی چارگی سے سماج کی ترقی میں مددگار ثابت ہوں۔ اس لئے جمہوری اقدار پر عمل پیدا ہو کر عزت دے کر ذمہ دار شہری کی طرح تمام لوگ آگے آئیں۔

قول: ”سماج میں ایک دوسرے کی عزت کرنے، ایک کی بات کو دوسرے عزت دینے،
مشترکہ طور پر فیصلے لینے سے وہ خاندان خوش و خرم ہی نہیں رہتا بلکہ سماج میں ایک اعلیٰ
مقام بھی حاصل کرتا ہے۔“

ضمیمہ

- 1- احادیث
- 2- رباعیات
- 3- نظمیں
- 4- کہانیاں
- 5- شخصیتیں

حدیث نمبر: ۱

ترجمہ: باپ کی خوشی میں اللہ تعالیٰ کی خوشی ہے۔ (ترمذی)

خلاصہ: خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو اپنے باپ کے فرماں بردار ہیں اور ان کا حق ادا کرتے ہیں۔ باپ کی خوشنودی عین نیاز مندی اور سعادت مندی ہے نہ صرف یہ بلکہ باپ کی خوشی میں خدا کی خوشنودی پوشیدہ ہے۔ اگر باپ ناراض ہو تو خدا بھی ناراض ہوتا ہے۔

حدیث نمبر: ۲

ترجمہ: جس نے بدزبانی کی اس نے ظلم کیا۔ (حاکم)

بدزبانی یقیناً ظلم ہے۔ دوسروں پر اور خود پر چونکہ بدزبانی دوستوں اور خیر خواہوں سے محروم کر دیتی ہے۔ یہ اپنے آپ پر ظلم ہے اور نیک کام کے ساتھ بدزبانی کرنا گویا اس پر ظلم کرنا ہے۔

حدیث نمبر: ۳

ترجمہ: جھوٹ بولنا ایمان کو ضائع کر دیتا ہے۔ (ویلیبی)

خلاصہ: جھوٹ بولنا ایک بری عادت ہے۔ اس سے سوائے نقصان کے کبھی کوئی فائدہ نہیں ہوتا اور جھوٹ سے جہاں خود کا نقصان ہوتا ہے وہاں دوسروں کو بھی سخت تکلیف پہنچتی ہے جیسے خوف خدا ہو وہ جھوٹ بول ہی نہیں سکتا۔ آدمی میں خوف خدا نہ ہونا اس کے ایمان کی کمزوری کی علامت ہے۔

حدیث نمبر: ۴

ترجمہ: جو دوسروں پر رحم نہ کرتا ہو اس پر بھی رحم نہیں کیا جاتا۔ (بخاری و مسلم)

خلاصہ: یہ ایک دنیا کا عام قاعدہ ہے کہ آدمی جیسا کرتا ہے ویسا پاتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص کسی کے ساتھ رد و رعایت سے کام لے تو اس کے جواب میں اس کے ساتھ بھی رد و رعایت ہوگی۔ بالکل اسی طرح اگر کوئی شخص رحم سے کام نہ لے تو ظاہر ہے کہ اس کے ساتھ بھی رحم سے کام نہ لے گا۔

حدیث نمبر: ۵

ترجمہ: خداے تعالیٰ کی طرف سے صبر نصیب ہوتا ہے۔ (خطیب بغدادی)
خلاصہ: صبر نفس کا ایک پاکیزہ جذبہ ہے۔ یوں تو اس سے بے شمار فائدے ہیں لیکن سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ صبر انسان کو علم و بردباری استقامت و رضا کا پیکر بنا دیتا ہے اور یہی مقام توفیق ہے۔ سبھی تو اللہ کی رضا و نصرت اس کے شامل حال ہو جاتی ہے۔

حدیث نمبر: ۶

ترجمہ: جو شخص فخر اور غرور کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو گرا دیتے ہیں۔ (ویلیبی)
خلاصہ: غرور اور تکبر بڑی بری بات ہے۔ یہ جذبہ انسان کو سرکشی اور بغاوت پر آمادہ کرتا ہے جو نہایت بری چیز ہے۔ مغرور کو کوئی پسند نہیں کرتا بلکہ اس کا غرور اسے کھا جاتا ہے اور عام سے اس کا اخلاقی بائیکاٹ کیا جاتا ہے۔ تکبر ایک ناقابل معافی جرم ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے قطعاً گوارا نہیں کرتے۔ مختصر یہ کہ تکبر اور سرکشی انسان کو ہمیشہ نچا دکھاتی ہے۔

حدیث نمبر: ۷

ترجمہ: بسم اللہ کے ساتھ کھانا شروع کرو۔ اپنے سیدھے ہاتھ سے اور اپنے سامنے سے کھاؤ۔
(بخاری و مسلم)

خلاصہ: کھانا کھانے سے پہلے بسم اللہ ضرور پڑھنا چاہیے۔ اس سے کھانے میں برکت ہوتی ہے۔ کھاتے وقت اپنے سیدھے ہاتھ اور اپنے سامنے سے کھانا چاہیے۔ یہی آداب ہیں کھانا برتنے اور کھانے میں اپنے سامنے سے شروع کرنے کا خاص خیال رکھنا چاہیے۔ چونکہ برکت برتن کے پتھوں سے نازل ہوتی ہے۔

حدیث نمبر: ۸

ترجمہ: کنجوس جنت میں داخل نہیں ہوں گے۔ (طبرانی)

خلاصہ: خدا اگر کچھ مال و دولت دیا ہے تو اچھا کھاؤ، اچھا پہنو اور اچھا رہو اور اس کا شکر ادا کرو۔ بخلاف اس کے جس کو خدا نے بہت کچھ دیا ہے، مگر وہ نہ اچھا کھاتا ہے، نہ اچھا پہنتا ہے اور نہ اچھا رہتا ہے تو یہ کفران نعمت ہے۔ کنجوس اور بخیل خود اپنی ذات کو صدقہ و خیرات کے ثواب سے بھی محروم رکھتا ہے۔ اسی لیے وہ جنت کا مستحق نہیں ہے۔

حدیث نمبر: ۹

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ نظر لگ جائے تو دعا پڑھوانا چاہیے۔ (بخاری)
خلاصہ: نظر بد کے اثرات کا دفع ہونا صرف دعا ہی سے جلد ممکن ہے۔ آنحضرت ﷺ کا حکم ہے کہ جب تک کسی کو نظر لگ جائے تو دعا پڑھوانی چاہیے۔ نظر بد کے اثرات کو زائل کرنے کے لیے یہ دعا حدیث سے ثابت ہے۔

﴿أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللَّهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ﴾

اور سورۃ فاتحہ و معوذتین یعنی سورۃ ناس اور سورۃ فلق پڑھ کر دم کرنا بھی مجرب ہے۔

حدیث نمبر: ۱۰

ترجمہ: موت مومن کے لیے (خدا کی طرف سے) تحفہ ہے۔ (ابن حبان)
خلاصہ: ایک مسلمان کا قضاء قدر پر ایمان ہوتا ہے۔ موت کا ایک دن مقرر ہے۔ دنیا کی ہر چیز فانی ہے اور یہ دنیا خود ناپائیدار ہے۔ موت مومن کو خدا سے ملاتی ہے۔ موت کے بعد ہی مومن ابدی راحتوں سے سرفراز ہوتا ہے۔ اس لیے مومن کو ہمیشہ موت کا خیال پیش نظر رکھنا چاہیے۔ اگر موت آجائے تو اسے خدا کی طرف سے تحفہ سمجھنا چاہیے۔

حدیث نمبر: ۱۱

ترجمہ: نماز مسلمانوں کے لیے معراج (خداے تعالیٰ سے
نزدیکی کا باعث) ہے۔ (زرقاتی)

خلاصہ: انسان کی تخلیق کا مقصد خداے بزرگ و برتر کی بزرگی ہے۔ نماز ہی ایک ایسی عبادت ہے جس میں بندہ اپنے خدا سے بہت قریب ہوتا ہے۔ یہ ایک ایسا فرض ہے جو شب معراج میں حضور اکرمؐ پر راست اور بالمشافہ فرض کیا گیا۔ خدا کی قربت عین سعادت ہے نماز کی پابندی اور اس کا قائم مسلمان کو ممتاز کر دیتا ہے۔ مومن کی یہی معراج ہے۔

حدیث نمبر: ۱۲

ترجمہ: بغیر وضو اور بغیر طہارت قرآن مجید کو ہاتھ نہ لگاؤ۔ (ابوداؤد)

خلاصہ: قرآن پاک ایک مقدس کتاب ہے اس کی تعظیم و تکریم جزء ایمان ہے۔ اس کی بے حرمتی سے پریشانیوں کی لت لگ جاتی ہے۔ بغیر وضو اور بغیر طہارت کے قرآن مجید کو ہاتھ نہیں لگانا چاہیے۔

رباعیات

رتبہ جسے دنیا میں خدا دیتا ہے
وہ دل میں فروتنی کو جادیتا ہے
کرتے ہیں تہی مغز ثناء آپ اپنی
جو ظرف کہ خالی ہے صدا دیتا ہے
(انیس)

کم ظرف اگر دولت وزر پاتا ہے
مانند حباب ابھر کے اتراتا ہے
کرتے ہیں ذرا سی بات پہ فخر خسیس
تیکا تھوڑی ہوا سے اوڑ جاتا ہے
(اجد)

تدبیر تو ہم لوگ بہت کرتے ہیں
تشہیر تو ہم لوگ بہت کرتے ہیں
اے کاش کہ تعمیر بھی ہوتی ہم سے
تقدیر تو ہم لوگ بہت کرتے ہیں
(جانی)

ہندی ہے تو ہند کی لگن پیدا کر
 دل میں تپش حب وطن پیدا کر
 کیا فکر ہے اپنے چار تنکوں کی تجھے
 شیدائے چمن عشق چمن پیدا کر
 (داتا تریہ کیٹی)

ہمت کے سوا نہ کوئی اپنا ہوگا
 مرنے جینے کا یہ سہارا ہوگا
 ہمت ہے ساتھ راہ ہستی میں اگر
 تنہا ہو کر بھی تو نہ تنہا ہوگا
 (اثر دہلوی)

جا جا کے تو کس پر صدا دیتا ہے
 محتاج ہو جو خود ہی وہ کیا دیتا ہے
 اے تان شبینہ کے طلب گار پلٹ
 بندے کو جو دیتا ہے خدا دیتا ہے
 (ریاست علی تاج)

جوانوں کو مری آہ سحر دے
 پھر ان شاہیں بچوں کو بال و پردے
 خدایا! آرزو مری یہی ہے
 مرا نور بصیرت عام کردی
 (اقبال)

ہر خواب کی تعبیر بدل سکتی ہے
ہر لوح کی تحریر بدل سکتی ہے
قسمت کی شکایت کے نہیں ہم قائل
تدبیر سے تقدیر بدل سکتی ہے

(ریاست علی تاج)

حالات کی تصویر بدل جاتی ہے
توقیر سے تحقیر بدل جاتی ہے
جب رنگ دکھاتے ہیں دعا و خیرات
تدبیر سے تقدیر بدل جاتی ہے

(گوہر کریم نگرہ)

جب عقل کسی قوم کو کھوجاتی ہے
اس قوم کی تاریخ ہی سو جاتی ہے
ہوتا نہیں جس میں اتحاد باہم
وہ نست و نابود ہی ہو جاتی ہے

(گوہر کریم نگرہ)

حمد

خدائے برتر، خدائے بالا تو ہی ہے مالک، تو ہی ہے آقا
تو ہی مناظر کی دلکشی میں ہے چاند سورج کی روشنی میں
سمندروں کی، تو بے کرانی تجھی سے دریا میں ہے روانی
گلوں کی رنگت، مہک بھی تو ہے فضا میں رنگیں دھنک بھی تو ہے
ہے پیڑ پودوں کی سنساہٹ تو ہی ہے چڑیوں کی چچھاہٹ
مستوتوں کا بیان بھی تو خوشیوں کی زباں بھی تو
ہر اک سو میں جہاں بھی جاؤں تراہی عکس جمال پاؤں
جو حکم تیرا نہیں ملے گا
تو کیسے پتہ کوئی ملے گا

نعت شریف

قائیل تھے مکرین بھی جن کی صفات کے
قرباں ہزاروں جا رہے میں ان کی ذات کے
موت و حیات کیا ہے کوئی جانتا نہ تھا
کھولے ہیں راز آپ نیت و حیات کے
دنیا میں آپ آئے تو صدقے میں آپ کے
سامان ہو گئے ہیں ہماری نجات کے
اک رات دیدے مجھ کو خدا ان کے دید کی
بدلے میں عمر لے لے اسی ایک رات کی
ایمان جب سے آپ پر لایا ہوں مصطفیٰ
درجے بلندے ہو گئے میری حیات کے
اس وقت مجھ کو ان کی شفاعت نصیب ہو
جس وقت ریزے ریزے ہوں اس کائنات کے
خون میں نہا گئے تھے مگر پھر بھی دیکھئے
لب پر دعا تھی بیکر صبر و ثبات کے
گہرائیوں میں ڈوب جا عشق رسولؐ کی عشق نبی سے عشق نبی
ملتے ہیں موتی نجات کے
غازی ہے آرزو مری یہ آخری دم تک
تالبع ہو ہر عمل مرا ہر ان کی بات کے

وعظ

(محمد اسمعیل میرٹھی)

کرے دشمن کوئی تم سے اگر
جہاں تک بنے تم کرو درگذر

کرو تم نہ حاسد کی باتوں پر غور
جلے کوئی اس کے جلنے دو اور

اگر تم سے ہو جائے سرزد قصور
تو اقرار توبہ کرو بالضرور

بدی کی ہو جس نے تمہارے خلاف
جو چاہے معافی تو کردو معاف

نہیں بلکہ تم اور احسان کرو
بھلائی سے اس کو پشیمان کرو

ہے شرمندگی اس کے دل کا علاج
سزا اور ملامت کی کیا احتیاج

بھلائی کرو تو کرو بے غرض
غرض کی بھلائی تو ہے اک فرض

جو محتاج مانگے تو دو تم ادھار
رہو واپسی کے نہ امیدوار

جو تم کو خدا نے دیا ہے دو
نہ خست کرو اس میں جو ہو سو ہو

ہمت نہ ہارو

رستہ ہے زندگی کا کٹھن پر بڑھے چلو
مانا خطر ہے اس میں سنبھل کر بڑھے چلو
منزل نظر کے سامنے ہے گڑ بڑھے چلو
رحمت خدا کی تم پر مقرر ہے بڑھے چلو

ہمت نہ ہارنا کبھی ہمت نہ ہارنا

مشکل اگر ہے کام تو جی توڑ کر کرو
اونچا اگر ہے بام کمر باندھ کر چڑھو
رستہ اگر کٹھن ہے سیدھے چلے چلو
آسان ایک بات ہے میری اگر سنو

ہمت نہ ہارنا کبھی ہمت نہ ہارنا

جھوٹوں کے پاس بھول کے جانا نہ تم کبھی
اے دوستو! بہانا بنانا نہ تم کبھی
ہمت کے وقت منہ کو چھپانا نہ تم کبھی
محنت کے وقت جان چرانا نہ تم کبھی
ہمت نہ ہارنا کبھی ہمت نہ ہارنا

آئے ہو تم یہاں تو کرو تن ہی سے کام
اور کام وہ کہ جس سے ہو روشن تمہارا نام
او رنام وہ کہ لیں اسے عزت سے خاص و عام
ممکن ہے سب ہسنتو سہی مہر کا کلام

ہمت نہ ہارنا کبھی ہمت نہ ہارنا
(مہر دہلوی)

مٹی کا دیا

جھٹ پٹے کے وت گھر سے ایک مٹی کا دیا
ایک بڑھیا نے سررہ لاکے روشن کر دیا

تا کہ راغبیر اور پردیسی کہیں ٹھوکر نہ کھائیں
راہ سے آساں گذر جائے ہر اک چھوٹا بڑا

یہ دیا بہتر ہے ان جھاڑوں اور فانوس سے
روشنی محلوں کے اندر ہی رہی جن کے سدا

گر نکل کر اک ذرا محلوں سے باہر دیکھئے
ہے اندھیرا گھپ درودیوار پر چھایا ہوا

سرخ رو آفاق میں وہ رہنما مینار ہیں
روشنی سے جن کی ملاحوں کے بیڑے پار ہیں

جاگو اور جگاؤ

جاگو ، جاگو ، جاگو پیارے جاگے دنیا والے سارے
دیکھو سورج، چاند، ستارے کرتے ہیں سب تم کو اشارے

تم بھی غفلت سے باز آؤ

جاگو جاگو اور جگاؤ

بے کاری کا رونا کب تک آنسو سے منہ دھونا کب تک
تکیہ اور پچھونا کب تک جاگو جاگو سونا کب تک

اٹھو اٹھو اب اٹھ جاؤ

جاگو جاگو سب کو جگاؤ

کوشش سے کچھ کرنا سیکھو بل پر اپنے ابھرنا سیکھو
صرف خدا سے ڈرنا سیکھو حق کی خاطر مرنا سیکھو

اچھی باتیں کر کے دکھاؤ

جاگو جاگو سب کو جگاؤ

انیکتا میں ایکتا

ہم ایک تھے ہم ایک ہیں ہم ایک رہیں گے
دشمن سے ہرگز نہ ڈریں گے
ساتھ جیئیں گے ساتھ مریں گے
ہم ایک تھے ہم ایک ہیں ہم ایک رہیں گے

امن و اماں کے دیپ جلا کر
کانٹے سب راہوں سے ہٹا کر
ہم ایک تھے ہم ایک ہیں ہم ایک رہیں گے

مشکل کے حالات اگر ہوں
دنکے بھی دن رات اگر ہوں
ہم ایک تھے ہم ایک ہیں ہم ایک رہیں گے

گو لے برسیں یا ہوں دھماکے
دشمن کو رکھ دیں گے مٹاکے
ہم ایک تھے ہم ایک ہیں ہم ایک رہیں گے

اٹھارہ سو ستاون کے
پھول ہی ہیں اس گلشن کے
ہم ایک تھے ہم ایک ہیں ہم ایک رہیں گے

ہندوستان کی لاج رکھیں گے
سر ہمیشہ تاج رکھیں گے
ہم ایک تھے ہم ایک ہیں ہم ایک رہیں گے

گفتگو میں شامل ہے حسن داستانی بھی
 کتنے معنے رکھتا ہے حرفِ زندگانی بھی
 آپ چاہیں جو سمجھیں پھر بھی حقیقت ہے
 مجھ سے ملتی جلتی ہے آپ کی کہانی بھی
 مانتی ہوں اس نے ہی گلستاں سجایا ہے
 لیکن اس میں شامل ہے میری جاں فشانی بھی
 درد و غم کے اشکوں کو مستقل نہیں سمجھو
 آگ بجھتی رہتی ہے سوکھتا ہے پانی بھی
 بار بار میری ان سسکیوں پر مت جانا
 بلبلوں سے سیکھی ہے میں نے نغمہ خوانی بھی
 پھر بھی وہ نہیں مانی اختلاف کرنے سے
 دل کو کتنا سمجھایا اس کی بات مانی بھی

(فاطمہ تاج)

ایک پرندہ اور جگنو

سر شام ایک باغ نغمہ پیرا
کسی ٹہنی پہ بیٹھا گا رہا تھا
چمکتی چیز اک دیکھی زمیں پر
اڑا طائر اسے جگنو سمجھ کر
کہا جگنو نے او مرغ نوا ریز!
نہ کر پکس پہ منقار ہوں تیز
تجھے جس نے چمک گل کو مہک دی
اُسی اللہ نے مجھ کو چمک دی
لباس نور میں مستور ہوں میں
پتنگوں کے جہاں کا طور ہوں میں
چمک تیری بہشت گوش اگر ہے
چمک میری بھی فردوس نظر ہے

ایک پہاڑ اور گلہری

کوئی پہاڑ یہ کہتا تھا اک گلہری سے
تجھے ہو شرم، تو پانی میں جا کے ڈوب مرے
ذرا سی چیز ہے، اس پر غرور! کیا کہنا!
یہ عقل اور یہ سمجھ، یہ شعور! کیا کہنا!
خدا کی شان ہے ناچیز، چیز بن بیٹھیں!
جو بے شعور ہوں یوں باتمیز بن بیٹھیں!
تری بساط ہے کیا میری شان کے آگے؟
زس ہے پست مری آن بان کے آگے
جو بات مجھ میں ہے تجھ کو وہ ہے نصیب کہاں
بھلا پہاڑ کہاں، جانور غریب کہاں!
کہا یہ سن کے گلہری نے منہ سنبھال ذرا
یہ کچھ باتیں ہیں دل سے انہیں نکال ذرا
جو میں بڑی نہیں تیری طرح تو کیا پروا
نہیں ہے تو بھی تو آخر مری طرح چھوٹا
ہر ایک چیز سے پیدا خدا کی قدرت ہے

کوئی بڑا، کوئی چھوٹا، یہ اس کی حکمت ہے
بڑا جہان میں تجھ کو بنا دیا اس نے
مجھے درخت پہ چڑھنا سکھا دیا اس نے
قدم اٹھانے کی طاقت نہیں ذرا تجھ میں
تری بڑائی ہے! خوبی ہے اور کیا تجھ میں
جو تو بڑا ہے تو مجھ سا ہنر دکھا مجھ کو
یہ چھالیہ ہی ذرا توڑ کر دکھا مجھ کو
نہیں ہے چیز نکمی کوئی زمانے میں
کوئی برا نہیں قدرت کے کارخانے میں

(ڈاکٹر سر محمد اقبال)

کہانیاں

- ۱۔ جوکا دلیہ، امیر معاویہؓ کا سلوک
- ۲۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ
- ۳۔ حضرت خولہؓ کی بہادری
- ۴۔ غیبت
- ۵۔ محنت کا پھل
- ۶۔ نابینا کی دانائی
- ۷۔ شاگردوں سے خدمت لینے سے احتراز
- ۸۔ مزدور کی اجرت
- ۹۔ بدزبانی
- ۱۰۔ حسد کا انجام

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا سلوک

نبی کریم ﷺ کے حضور غسان کا شہزادہ حاضر ہوا۔ کئی دن تک مہمان رہا پھر اجازت چاہی۔ جانے سے پہلے عرض کیا!

”یا رسول اللہ ﷺ، میرا پڑاؤ یہاں سے کچھ میل کے فاصلے پر ہے۔ میں آپ ﷺ کی خدمت میں چند تحائف پیش کرنا چاہتا ہوں، اپنے کسی خادم کو میرے ساتھ روانہ فرمائیے۔“

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اس وقت دربار رسالت ﷺ میں حاضر تھے۔ حکم ہوا کہ۔

”شہزادے کے ساتھ چلے جاؤ اور اشیاء لے آؤ۔“

گرمیوں کی دوپہر تھی اور شہزادہ گھورے پر سوار تھا۔ حضرت امیر معاویہؓ برہنے پاؤں اور پیدل۔ گرم ریت پر پاؤں چھالہ چھالہ ہو رہے تھے۔ انہوں نے شہزادے سے کہا۔

”اجازت ہو تو سواری لے لوں۔“

وہ غرور سے بولا۔ ”نہیں، تم خادم ہو، میں شہزادہ ہوں، برابر ہی نہ کرو، میرے ساتھ پیدل آؤ۔“

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا۔ ”ریت گرم ہے، میں جو تا پہن لوں، ذرا رکیے۔“

شہزادہ اکر کر بولا۔ ”ہرگز نہیں۔ میرے وقت نہیں ہے۔“ ”یونہی چلتے رہو۔“

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خاموش ہو گئے۔ گرم اور تپتی ہوئی ریت پر کئی میل آنے جانے کا سفر کیا۔ پیروں سے خون رسنے لگا مگر آف تک نہ کی۔

سالہا سال گذر گئے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ شانِ کربیی کے طفیل ترقی کرتے کرتے گورنری کے عہدے تک پہنچے۔ غسان پر حملہ کیا۔ اسے فتح کیا اور جب اپنے خیمے میں لوٹے تو قیدیوں کو پیش کیا گیا۔ ان میں وہ شہزادہ بھی تھا۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے غور سے دیکھا اور پہچان لیا مگر شہزادہ ان کو نہ پہچان سکا۔ آپ رضی اللہ عنہ محافطوں کو حکم دیا۔

حکم کی تعمیل ہوئی۔ شہزادے کی زنجیریں کھل گئیں اور اسے عزت سے خیمے میں پہنچا دیا گیا۔ ایک ماہ گذر گیا۔ شہزادہ بڑے آرام اور عزت سے رہ رہا تھا۔ وہ حیران تھا کہ اس کے ساتھ یہ حسن سلوک کیوں؟ آخر ایک روز اس نے امیر لشکر سے

ملنے کی خواہش ظاہر کی۔ جو پوری کر دی گئی۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے احترام سے بٹھایا۔ خاطر مدارت کی اور پھر پوچھا۔ ”شہزادے یہاں کوئی تکلیف تو نہیں؟“

شہزادے نے جواب دیا۔ ”نہیں“ مگر ایک بات ضرور پوچھنا چاہتا ہوں۔“

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مسکرائے۔ ”ہاں ہاں ضرور“ کیا بات ہے، پوچھو۔

شہزادے نے کہا۔ ”میں تو ایک قیدی تھا، پھر آپ کا میرے ساتھ یہ حسن سلوک کیا معنی رکھتا ہے؟“

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مسکرا کر کہا۔ ”شہزادے، میری طرف دیکھو اور کچھ یاد کرو۔“

شہزادے نے ان کے چہرے کی طرف دیکھا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ ”برسوں پہلے تم میرے آقا مولا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمان ہوئے تھے۔“

شہزادے نے جواب دیا۔ ”جی ہاں مجھے خوب یاد ہے۔“

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ ”تو پھر یہ بھی یاد ہوگا کہ ایک غلام رسول ﷺ نے تپتی ریت پر ننگے پاؤں اپنے

ساتھ میلوں کا سفر کرایا تھا۔“

”ہاں ہاں..... وہ.....“ شہزادے کی رنگت زرد پڑ گئی۔ زبان لڑکھڑا گئی۔ ”آپ..... آپ وہی.....“

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے نرمی سے کہا۔ ”ہاں شہزادے، میں وہی خادم رسول ﷺ ہوں۔“

شہزادہ حقیقت جانتے ہی جیسے ندامت اور شرمندگی کے ساتھ خوف سے کملا گیا۔ وہ ہکلا کر بولا۔

”آپ آپ..... آپ مجھے پہچان چکے ہیں۔“

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بولے۔ ”ہاں، میں نے تمہیں پہلی ہی نظر میں پہچان لیا تھا۔

شہزادے کا سر جھک گیا۔ ”میں آپ کا مجرم ہوں، آپ جو چاہیں مجھ سے سلوک کر سکتے ہیں۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مسکرائے۔ ”وہی تو کر رہا ہوں شہزادے۔“

شہزادہ چونک کر سراٹھایا۔ ”یعنی میرے اتنے برے سلوک کے باوجود آپ مجھ سے ایسا خوبصورت برتاؤ کر رہے

ہیں۔“

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اثبات میں سر ہلایا۔ ”وہاں شہزادے، میرا مذہب برائی کا جواب برائی سے دینے

سے حتی الامکان منع کرتا ہے۔“

شہزادے نے شرمندگی سے سر جھکا لیا۔ ”میں تو سمجھا تھا کہ آپ مجھے.....“

”جی ہاں۔“

”نہیں شہزادے تم آزاد ہو، جب چاہو جا سکتے ہو۔“ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے۔

شہزادہ حیرت سے اچھل پڑا۔ ”جی“ کیا آپ سچ بول رہے ہیں۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے سنجیدگی سے کہا۔ ”ہاں شہزادے“

اشراف کی عزت کرنا ہمارے مذہب میں داخل ہے۔“

شہزادہ اپنی جگہ سن بیٹھا رہا اور امیر معاویہ رخصت ہو گئے۔

دوسرے روز اس کے روانہ ہونے کے تمام انتظامات مکمل ہو گئے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اسے خود خدا حافظ کہنے

آئے۔ شہزادہ سر جھکائے اپنی شاہی سواری کے پاس کھڑا تھا اور کچھ سوچ رہا تھا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کی طرف

دیکھتے ہوئے کہا۔

”شہزادے تم حائف لادے جا چکے ہیں۔ کچھ زرقند بھی حاضر ہے۔ امید ہے تم میری مہمان نوازی کی کسی بھول

چوک کو درگزر کر دو گے۔“

”امیر۔“ شہزادہ رو پڑا۔ ”مجھے شرمندہ نہ کیجئے، مجھے کلمہ پڑھائیے۔“

اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے چہرے پر سکون کا نور پھیلتا چلا گیا۔ انہوں نے آسمان کی طرف دیکھا اور کہا۔

”الحمد للہ“

ان کے حسن سلوک نے پتھر کو موم کر دیا تھا۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا سلوک

نبی کریم ﷺ کے حضور غسان کا شہزادہ حاضر ہوا۔ کئی دن تک مہمان رہا پھر اجازت چاہی۔ جانے سے پہلے عرض کیا!
”یا رسول اللہ ﷺ، میرا پڑاؤ یہاں سے کچھ میل کے فاصلے پر ہے۔ میں آپ ﷺ کی خدمت میں چند تحائف پیش
کرنا چاہتا ہوں، اپنے کسی خادم کو میرے ساتھ روانہ فرمائیے۔“

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اس وقت دربار رسالت ﷺ میں حاضر تھے۔ حکم ہوا کہ۔

”شہزادے کے ساتھ چلے جاؤ اور اشیاء لے آؤ۔“

گرمیوں کی دوپہر تھی اور شہزادہ گھورے پر سوار تھا۔ حضرت امیر معاویہؓ برہنے پاؤں اور پیدل۔ گرم ریت پر پاؤں
چھالہ چھالہ ہو رہے تھے۔ انہوں نے شہزادے سے کہا۔

”اجازت ہو تو سواری لے لوں۔“

وہ غرور سے بولا۔ ”نہیں، تم خادم ہو، میں شہزادہ ہوں، برابر ہی نہ کرو، میرے ساتھ پیدل آؤ۔“

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا۔ ”ریت گرم ہے، میں جو تاچہن لوں، ذرا رکیے۔“

شہزادہ اکڑ کر بولا۔ ”ہرگز نہیں۔ میرے وقت نہیں ہے۔“ ”یونہی چلتے رہو۔“

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خاموش ہو گئے۔ گرم اور تپتی ہوئی ریت پر کئی میل آنے جانے کا سفر کیا۔ پیروں سے
خون رسنے لگا گراف تک نہ کی۔

سالہا سال گذر گئے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ شان کریمی کے طفیل ترقی کرتے کرتے گورنری کے عہدے

تک پہنچے۔ غسان پر حملہ کیا۔ اسے فتح کیا اور جب اپنے خیمے میں لوٹے تو قیدیوں کو پیش کیا گیا۔ ان میں وہ شہزادہ بھی تھا۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے غور سے دیکھا اور پہچان لیا مگر شہزادہ ان کو نہ پہچان سکا۔ آپ رضی اللہ عنہ محافطوں کو حکم دیا۔

حکم کی تعمیل ہوئی۔ شہزادے کی زنجیریں کھل گئیں اور اسے عزت سے خیمے میں پہنچا دیا گیا۔ ایک ماہ گذر گیا۔ شہزادہ

بڑے آرام اور عزت سے رہ رہا تھا۔ وہ حیران تھا کہ اس کے ساتھ یہ حسن سلوک کیوں؟ آخر ایک روز اس نے امیر لشکر سے

ملنے کی خواہش ظاہر کی۔ جو پوری کر دی گئی۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے احترام سے بٹھایا۔ خاطر مدارت کی اور پھر پوچھا۔ ”شہزادے یہاں کوئی

تکلیف تو نہیں؟“

شہزادے نے جواب دیا۔ ”نہیں،“ مگر ایک بات ضرور پوچھنا چاہتا ہوں۔“

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مسکرائے۔ ”ہاں ہاں ضرور،“ کیا بات ہے، پوچھو۔

شہزادے نے کہا۔ ”میں تو ایک قیدی تھا، پھر آپ کا میرے ساتھ یہ حسن سلوک کیا معنی رکھتا ہے؟“

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مسکرا کر کہا۔ ”شہزادے، میری طرف دیکھو اور کچھ یاد کرو۔“

شہزادے نے ان کے چہرے کی طرف دیکھا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ ”برسوں پہلے تم میرے آقا مولا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمان ہوئے تھے۔“

شہزادے نے جواب دیا۔ ”جی ہاں مجھے خوب یاد ہے۔“

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ ”تو پھر یہ بھی یاد ہوگا کہ ایک غلام رسول ﷺ نے تپتی ریت پر ننگے پاؤں اپنے

ساتھ میلوں کا سفر کرایا تھا۔“

”ہاں ہاں..... وہ.....“ شہزادے کی رنگت زرد پڑ گئی۔ زبان لڑکھڑا گئی۔ ”آپ..... آپ وہی.....“

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے نرمی سے کہا۔ ”ہاں شہزادے، میں وہی خادم رسول ﷺ ہوں۔“

شہزادہ حقیقت جانتے ہی جیسے ندامت اور شرمندگی کے ساتھ خوف سے کملا گیا۔ وہ ہکلا کر بولا۔

”آپ آپ..... آپ مجھے پہچان چکے ہیں۔“

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بولے۔ ”ہاں، میں نے تمہیں پہلی ہی نظر میں پہچان لیا تھا۔

شہزادے کا سر جھک گیا۔ ”میں آپ کا مجرم ہوں، آپ جو چاہیں مجھ سے سلوک کر سکتے ہیں۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مسکرائے۔ ”وہی تو کر رہا ہوں شہزادے۔“

شہزادہ چونک کر سراٹھایا۔ ”یعنی میرے اتنے برے سلوک کے باوجود آپ مجھ سے ایسا خوبصورت برتاؤ کر رہے

ہیں۔“

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اثبات میں سر ہلایا۔ ”وہاں شہزادے، میرا مذہب برائی کا جواب برائی سے دینے

سے حتی الامکان منع کرتا ہے۔“

شہزادے نے شرمندگی سے سر جھکا لیا۔ ”میں تو سمجھا تھا کہ آپ مجھے.....“

”جی ہاں۔“

”نہیں شہزادے تم آزاد ہو، جب چاہو جا سکتے ہو۔“ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے۔

شہزادہ حیرت سے اچھل پڑا۔ ”جی“ کیا آپ سچ بول رہے ہیں۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے سنجیدگی سے کہا۔ ”ہاں شہزادے“

اشراف کی عزت کرنا ہمارے مذہب میں داخل ہے۔“

شہزادہ اپنی جگہ سن بیٹھا رہا اور امیر معاویہ رخصت ہو گئے۔

دوسرے روز اس کے روانہ ہونے کے تمام انتظامات مکمل ہو گئے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اسے خود خدا حافظ کہنے

آئے۔ شہزادہ سر جھکائے اپنی شاہی سواری کے پاس کھڑا تھا اور کچھ سوچ رہا تھا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کی طرف

دیکھتے ہوئے کہا۔

”شہزادے تحائف لادے جا چکے ہیں۔ کچھ زرنفتد بھی حاضر ہے۔ امید ہے تم میری مہمان نوازی کی کسی بھول

چوک کو درگزر کر دو گے۔“

”امیر۔“ شہزادہ رو پڑا۔ ”مجھے شرمندہ نہ کیجئے، مجھے کلمہ پڑھائیے۔“

اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے چہرے پر سکون کا نور پھیلتا چلا گیا۔ انہوں نے آسمان کی طرف دیکھا اور کہا۔

”الحمد للہ“

ان کے حسن سلوک نے پتھر کو موم کر دیا تھا۔

حضرت خولہؓ کی بہادری

اسلام کے ابتدائی دور میں کئی مسلمان خواتین نے بہادری کے اہم کارنامے انجام دیے۔ ان مشہور خواتین میں ایک حضرت خولہؓ بھی تھیں۔ حضرت خولہؓ نوعمر لڑکی تھیں۔ لیکن وہ انتہا کی بہادر اور دلیر تھیں۔ وہ اسلام کے ایک مشہور مجاہد حضرت ضرارؓ کی بہن تھیں۔ تاریخ میں یہ دونوں بھائی بہن اپنی بہادری اور آپس کی محبت کے لیے مشہور ہیں۔ وہ ہمیشہ ساتھ رہتے تھے۔ یہاں تک کہ جب حضرت ضرارؓ لشکر اسلام کے ہمراہ جہاد کے لیے جاتے تو حضرت خولہؓ بھی ان کے ہمراہ جاتیں۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ لشکر اسلام حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی قیادت میں رومیوں کے اہم شہر دمشق کا محاصرہ کیے ہوئے تھا۔ محاصرے کے دوران خبر ملی کہ روم کے بادشاہ نے دمشق کے مدد کے لیے ایک بڑی فوج روانہ کی ہے۔ جو اب دمشق کے قریب پہنچ چکی ہے۔ حضرت خالدؓ نے اس فوج کا راستہ روکنے کے لیے مجاہدین کا ایک دستہ تیار کیا اور حضرت ضرارؓ کو اس کے ہمراہ روانہ کیا۔ یہ دستہ بڑی بہادری سے لڑا اور اس نے سیکڑوں رومیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ لیکن مقابلے کے دوران حضرت ضرارؓ کا نیزہ ٹوٹ گیا۔ دشمنوں نے انہیں نہتہ پا کر چاروں طرف سے گھیر لیا اور گرفتار کر کے اپنے ساتھ لے گئے۔

حضرت خالدؓ کو حضرت ضرارؓ کی گرفتاری کی خبر ملی تو وہ خود روم سے آنے والی فوج سے مقابلہ کرنے نکلے۔ لشکر کی روانگی کے وقت لوگوں نے دیکھا کہ ایک سوار اپنا گھوڑا دوڑاتا ہوا آیا اور تیزی سے لشکر کی صفوں سے آگے نکل گیا۔ اس کا چہرہ خود میں چھپا ہوا تھا۔ اس لیے کوئی اسے پہچان نہ سکا۔ دشمن سے مدد بھیڑ کے موقع پر بھی یہ سوار آگے بڑھ کر حملے کر رہا تھا۔ رومی سپاہی اسے گھیرتے لیکن وہ بڑی بہادری سے ان کو تتر بتر کرتا ہوا گھیرے سے نکل جاتا اور کسی دوسری جانب حملہ کر دیتا۔

آخر کار جب رومی سپاہی شکست کھا کر بھاگ گئے تو حضرت خالدؓ نے اس سوار کو بلا کر پوچھا کہ تم کون ہو؟ اس نے جواب دیا: ”میں ضرارؓ کی بہن خولہؓ ہوں۔ میں اپنے بھائی کی تلاش میں دشمنوں کی صفوں کو چیر کر دور تک پہنچی بھی لیکن افسوس! مجھے اپنے بھائی کا کوئی پتہ نہ چل سکا۔“

حضرت خالدؓ، حضرت خولہؓ کی بہادری اور بھائی کی محبت کو دیکھ کر بہت متاثر ہوئے۔ انہوں نے حضرت خولہؓ

کوفیقین دلایا کہ وہ حضرت ضراٹ کو چھڑائے بغیر دم نہیں لیں گے۔

رومی لشکر کے سردار جو جاسوسوں کے ذریعے اطلاع ملی تو اس نے حضرت ضراٹ کو ایک دستے کے ہمراہ روم کی طرف روانہ کر دیا۔ حضرت خالدؓ کو بھی یہ بات معلوم ہو گئی۔ انہوں نے فوراً مجاہدین کا ایک دستہ حضرت ضراٹ کو چھڑانے کے لیے روانہ کر دیا۔ حضرت خولہؓ بھی اس دستے کے ہمراہ ہو گئیں۔

ابھی رومی سپاہیوں کا دستہ بہت دور نہیں گیا تھا کہ مجاہدین نے اسے جالیا اور اس شدت سے حملہ کیا کہ رومی سپاہی حضرت ضراٹ کو چھوڑ چھاڑ کر اپنی جانیں بچا کر بھاگ گئے۔ پھڑے ہوئے بہن بھائی ایک بار پھر مل گئے۔ دونوں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

اسلام کی اس عظیم مجاہدہ کو اپنے بھائی سے اس قدر محبت تھی کہ وہ جنگ میں بھی اپنے بھائی حضرت ضراٹ کے ساتھ حصہ لیتی تھیں۔ یہاں تک کہ لڑائی کے دوران وہ اپنا گھوڑا بھائی کے گھوڑے کے ساتھ رکھتی تھیں۔ وہ کہتی تھیں کہ اگر ہم دونوں میں سے کوئی شہید ہو گیا تو حشر میں ملیں گے۔

غیبت

بچو! غیبت کے معنی ہیں کسی مسلمان بھائی کے پیٹھ پیچھے اس کی کسی ایسی برائی کا ذکر کرنا، اگر وہ سن لے تو ناخوش اور رنجیدہ ہو۔ جیسے کسی کو بیوقوف اور بے عقل کہہ دینا، یا کسی کی آنکھ، ناک، کان وغیرہ میں کوئی عیب ہو تو اسے ظاہر کر دینا، یا کسی کے حسب نسب اور خاندان کے عیب کو بیان کر دینا یا اس کے لباس، مکان یا ایسی ہی اور کسی چیز کو برا کہہ دینا یہ سب باتیں غیبت میں داخل ہیں۔ تم نے اس تعریف سے سمجھ لیا ہوگا کہ غیبت کتنی بری چیز ہے۔ بلاوجہ کسی اپنے بھائی کا دل دکھانا اچھے لوگوں کا کام نہیں۔ پھر غیبت کا کھلا نقصان یہ ہے کہ آپس میں دشمنی پیدا ہوتی ہے۔ بیٹھے بٹھائے مفت میں زندگی بے مزہ ہو جاتی ہے۔

غیبت کرنے والے کو سب بری نظر سے دیکھتے اور اس سے گھبراتے ہیں۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ جیسے اس شخص نے دوسروں کی برائی ہمارے سامنے کی ہے ہمارے عیب بھی اوروں سے بیان کرے گا۔ غیبت کرنا بڑی بے انصافی کی بات ہے۔ کیونکہ کوئی انسان عیب سے خالی نہیں۔ کسی نہ کسی میں عیب ضرور ہے۔

بے عیب صرف اللہ کی ذات ہے، پھر اپنے عیب پر نظر نہ کرنا اور دوسروں کے عیب گننا بے انصافی نہیں تو کیا ہے؟ ذرا اپنے دل میں سوچو کہ اگر کوئی تمہارا عیب کسی پر ظاہر کرے اور تم سنو تو تمہارا دل کیا کہے گا؟ اسی طرح جس کا عیب تم ظاہر کرو گے اسے بھی ضرور برا لگے گا اور یہ بڑی بے انصافی اور ظلم ہے کہ تم اپنے رنج کو تو رنج سمجھو اور دوسرے کے رنج کو رنج نہ سمجھو۔ پس!

کبھی بھول کر کسی سے نہ کرو سلوک ایسا
کہ جو کوئی تم سے کرتا تمہیں ناگوار ہوتا

غیبت کرنے والا اپنے اچھے وقت کو خراب کرتا اور اپنے پاک دل کو برائیوں سے بھرتا ہے۔ جتنا وقت کسی بے قصور اور بے خبر شخص کی برائی میں صرف کیا۔ اگر اتنا وقت کسی اچھے کام میں صرف کرتا تو کتنا فائدہ ہوتا اور دل برے خیالوں سے ناپاک نہ ہوتا۔

غیبت کرنے والا دل کو بودا ہوتا ہے کہ پھر اسے کسی کے منہ پر حق بات کہنے کی ہمت نہیں رہتی۔

غیبت ایک طرح کی چوری ہے۔ غیبت کرنے والے کو کبھی اطمینان نصیب نہیں ہوتا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اگر میرے غیبت کرنے کا حال معلوم ہو گیا تو نہ معلوم کیا ہو؟

عقل مندوں نے کہا ہے کہ ایسے شخص سے دوستی مت کرو جو کسی کے عیب بیان کرنے کی عادت رکھتا ہو۔ حضرت مالک بن دینار جو بڑے مشہور بزرگ گذرے ہیں، ان کے سامنے ایک کتابیٹھا تھا کسی نے اسے ہٹانا چاہا تو آپ نے فرمایا: رہنے دو یہ اس دوست سے اچھا ہے جو لوگوں کی غیبت کرتا ہے۔

اب ایک بات اور سمجھ لو عیب دو طرح کے ہوتے ہیں ایک وہ جو آدمی کے بس میں نہیں جیسے اندھا ہونا لنگڑا ہونا محتاج ہونا وغیرہ ان عیبوں کے ظاہر کرنے میں اندھے، لنگڑے اور محتاج کو ناخوش کرنے کے علاوہ اللہ میاں کے ساتھ بڑی گستاخی ہے اور تمہیں جو اس نے اچھا اور تندرست بنایا ہے اس کی ناشکری۔ کیا وہ اللہ جس نے دوسرے کو اندھا یا لنگڑا بنایا تمہیں ویسا نہیں بنا سکتا تھا؟ ضرور بنا سکتا تھا اور اب بھی اسے قدرت ہے کہ جو عیب چاہے تم میں پیدا کر دے۔ پس ایسے عیب والوں سے تمہیں نصیحت لے کر ان پر رحم کرنا چاہئے اور اپنی تندرستی اور خوشحالی پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے۔ دوسرے وہ عیب ہیں جو اپنے اختیار سے پیدا ہوتے ہیں جیسے کسی کی غیبت کرنا، جھوٹ بولنا، رشوت لینا، نشہ استعمال کرنا، جو کھیلنا وغیرہ، تو ان کو بھی کسی کو ذلیل کرنے کی نیت سے ظاہر کرنا ہرگز مناسب نہیں۔ ہاں ہمدردی کے طور پر تنہائی میں سمجھا دو اور وہ بھی اس طرح کہ تمہارے سمجھانے سے اس میں ناگواری اور ضد پیدا نہ ہو۔ مان لے تو خیر ورنہ وہ جانے اور اس کا خدا، تم اپنے عیبوں کی خبر لو اور اپنی حالت کو سدھا دو۔ بقول کسی کے!

تجھ کو پرائی کیا پڑی اپنی نیڑ تو

کیونکہ دوسرے کا بڑے سے بڑا عیب بھی تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ ہاں تمہارا ذرا سا عیب بھی تمہارے نقصان کے لیے بہت ہے۔ ہمارے مذہب نے غیبت کی بڑی برائی کی ہے اور اس سے بڑی تاکید کے ساتھ منع کیا ہے۔ اللہ پاک فرماتا ہے ”تم میں سے کوئی ایک دوسرے کی غیبت نہ کرے۔“ غیبت کو اللہ پاک نے مردہ بھائی کا گوشت کھانے کے برابر فرمایا ہے۔ ہمارے پیارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب معراج میں تشریف لے گئے تو آپ نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ ان کے ناخن تانے کے ہیں اور وہ ان سے اپنے چہروں اور سینوں کو نوچ نوچ کر

لہولہان اور زخمی کر رہے ہیں۔ آپ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا۔ ”یہ کون لوگ ہیں؟ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا! ”حضور! یہ وہ لوگ ہیں جو دنیا میں لوگوں کا گوشت کھاتے اور ان کی عزت برباد کرتے تھے۔“ یعنی غیبت کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا ہے کہ ”آگ جو اثر گھاس میں کرتی ہے غیبت اس سے زیادہ غیبت کرنے والے کی نیکیوں میں کرتی ہے۔“

یاد رکھو! کہ غیبت زبان ہی سے نہیں ہوتی بلکہ آنکھ اور ہاتھ کے اشارے سے جو عیب ظاہر کیا جائے وہ بھی غیبت میں داخل ہے۔

ایک بزرگ حضرت وہبؒ فرماتے ہیں۔ ”میرے نزدیک غیبت کا چھوڑ دینا خدا کی راہ میں سونے کا پہاڑ خرچ کرنے سے بہتر ہے۔“

بچو! تم نے غیبت کی برائی اچھی طرح سمجھ لی۔

اب پکا ارادہ کر لو کہ کبھی کسی کی غیبت نہیں کرو گے۔

اللہ توفیق دے۔ آمین

محنت کا پھل

ہم سب جانتے ہیں کہ اللہ پاک ہمارے کھانے پینے کی ساری چیزیں زمین سے اگاتے ہیں جیسے اناج پھل وغیرہ۔ انسان زمین کھودتا ہے۔ اس میں بیج ڈالتا ہے اور پانی دیتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اس زمین سے اناج اور پھل اگاتے ہیں۔ جو شخص زمین پر محنت کرتا ہے اس میں بیج ڈالتا ہے اسے کسان کہتے ہیں۔

یہ کہانی بھی ایک کسان کی ہے۔ اس کا نام احمد تھا۔ احمد کے تین بیٹے تھے۔ تینوں نہایت سست اور کام چور تھے۔ وہ کام کاج میں باپ کی مدد نہیں کرتے تھے۔ اس لیے احمد بہت پریشان رہتا تھا۔

آخر بہت سوچنے کے بعد احمد کے ذہن میں ایک ترکیب آئی۔ اس نے اپنے بیٹوں کو جمع کیا اور ان سے کہا پیارے بیٹو!..... ہماری زمین کے اندر ایک خزانہ چھپا ہوا ہے اور میں اسے نکالنا چاہتا ہوں۔ لیکن میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور اکیلا یہ کام نہیں کر سکتا۔ اگر تم میرا ساتھ دو تو میں یہ کام مل کر کر لیں۔ پھر ہم سب خوش حال ہو جائیں گے۔ تینوں بیٹے خزانہ نکالنے پر راضی ہو گئے۔ انہوں نے ساری زمین کھود ڈالی۔ لیکن ان کو خزانہ نہیں ملا۔ بیٹوں کو غصہ آیا۔

وہ گھر آئے اور والد سے کہا کہ آپ نے ہم سے جھوٹ بولا تو والد نے کہا پیارے بیٹو! میں جھوٹ کیسے بول سکتا ہوں۔ جھوٹ بولنا تو بہت بری اور گندی عادت ہے اور مسلمان کبھی جھوٹا نہیں ہوگا۔

میں نے تم سے سچ کہا تھا کہ اس میں خزانہ ہے۔ لیکن تم جلد بازی کر رہے ہو۔ جلدی کا کام شیطان کا ہوتا ہے۔ تم وہ کرو جو میں تمہیں بتاتا ہوں۔ یہ بیج لو اور زمین میں ڈال دو۔ سب بیٹوں نے مل کر بیج زمین میں بودیے۔ اس کے بعد کسان نے کہا۔ آؤ اب وضو کریں اور نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ اللہ بارش برسا دے۔ سب نے وضو کیا، نماز پڑھی اور بارش کی دعا کی۔

اللہ نے ان کی دعا قبول کی اور خوب بارش ہوئی۔ کچھ ہی دنوں میں زمین میں پودے اگنے لگے اور فصل تیار ہو گئی اور اس میں خوب اناج نکلا۔

والد نے کہا اناج تھیلوں میں بھرو اور شہر لے جا کر بیچو۔ اس تجارت سے انہیں روپیہ پیسہ ملا۔ بیٹے پیسہ لے کر باپ کے پاس آئے۔ باپ نے اپنے بیٹوں سے کہا! دیکھو یہ وہی خزانہ ہے جس کے بارے میں نے تم سے کہا تھا۔ پیارے بچو! جب کوئی محنت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا پھل ضرور ملتا ہے۔

نابینا کی دانائی

کسی ملک میں ایک بادشاہ حکومت کرتا تھا۔ وہ بے حد نیک اور رحم دل تھا۔ لیکن اس کا وزیر بڑا بدمزاج اور مغرور انسان تھا۔ ایک دن بادشاہ اپنے وزیر اور ایک غلام کے ساتھ سفر پر روانہ ہوا۔ وہ تینوں اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار تھے۔ وہ ایک جنگل سے گزر رہے تھے کہ اچانک طوفان آ گیا اور وہ ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔

طوفان تھا تو انہوں نے ایک دوسرے کو تلاش کرنا شروع کیا۔ غلام نے ایک جھونپڑی دیکھی۔ وہاں ایک اندھا فقیر بیٹھا دکھائی دیا۔ غلام نے اس سے پوچھا ”اے اندھے کیا اس طرف سے کوئی سوار گزرا ہے؟“

فیر نے جواب دیا۔ نہیں بھائی۔ یہ سن کر غلام آگے بڑھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد وزیر کا وہاں سے گزر ہوا۔ اس نے اندھے فقیر کو دیکھا تو پوچھا ”اے فقیر! کیا یہاں سے کوئی سوار گزرا ہے؟“ فقیر نے کہا ہاں ایک غلام جو گھوڑے پر سوار تھا یہاں سے گزرا ہے۔ وزیر آگے بڑھ گیا۔ کچھ دیر کے بعد بادشاہ بھی وزیر اور غلام کو ڈھونڈتا ہوا آ گیا۔

بادشاہ نے فقیر کو دیکھا تو گھوڑے سے اتر اور بڑے ادب سے پوچھا ”جناب“ کیا ادھر سے کوئی سوار گزرا ہے؟ اندھے فقیر نے کہا جی ہاں!

بادشاہ سلامت پہلے تو آپ کا غلام یہاں سے گزرا، اس کے بعد وزیر گیا۔ بادشاہ کو یہ سن کر بڑی حیرت ہوئی۔ اس نے فقیر سے پوچھا، جناب! آپ تو نابینا ہیں پھر آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ میں بادشاہ ہوں اور یہ بھی کیسے پتہ چلا کہ پہلے غلام پھر وزیر یہاں سے گزرے ہیں؟ فقیر نے مسکرا کر جواب دیا۔

بادشاہ سلامت پہلے شخص نے مجھے اندھا کہہ کر پکارا دوسرے شخص نے فقیر کہا اور آپ نے مجھے جناب کہہ کر عزت دی۔ اس لیے گفتگو کے انداز سے میں سمجھ گیا کہ پہلا شخص غلام، دوسرا وزیر اور آپ بادشاہ ہیں۔

بادشاہ فقیر کی باتوں سے بہت خوش ہوا۔ اسے بہت سے انعام دیا۔

محل پہنچ کر بادشاہ نے غلام کو بد تمیزی پر ڈانٹا۔ پھر وزیر کو بلایا اور سمجھایا کہ اپنے سے کم تر انسان سے بھی نرمی اور ادب سے بات کرنی چاہئے۔ وزیر بہت شرمندہ ہوا، اور اس نے اپنی بدمزاجی اور غرور سے توبہ کی۔ پیارے بچو! اچھی بات کرنا بھی نیکی ہے۔ ہر ایک سے اچھی طرح پیش آنا چاہئے۔

شاگردوں سے خدمت لینے سے احتراز

اساتذہ اپنے طلبہ کے روحانی باپ ہوتے ہیں۔ ان کے احسانات بھی والدین سے کچھ کم نہیں۔ اسی لیے طلبہ ہمیشہ اپنے اچھے اساتذہ کا احترام، اطاعت اور خدمت بالکل اسی طرح کرتے ہیں۔ جس طرح اپنے والدین کی کرتے ہیں۔ مگر اس کے یہ معنی قطعاً نہیں ہوتے کہ اساتذہ ان سے اپنی خدمت لے کر تعلیم و تربیت کا اجر ضائع کر دیں۔ ایسا کرنے سے تو تعلیم ایک مقدس فریضے کے بجائے ایک تجارت ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس لیے کہ وہ اپنا اجر آخرت میں اللہ سے حاصل کرنے کی بجائے دنیا ہی میں شاگردوں کی خدمت کے روپ میں وصول کر لیتے ہیں۔ دوسرے اس روحانی رشتے میں بھی کوئی خلوص باقی نہیں رہ جاتا۔ اچھے اساتذہ کا یہ شعار رہا ہے کہ اصرار کے باوجود انہوں نے اپنے شاگردوں سے کسی قسم کی خدمت لینا گوارا نہیں کیا۔

میاں عبداللہ بدایونی ایک ایسے ہی نیک استاد تھے۔ ان کی تعلیمی خدمات نظر انداز نہیں کی جاسکتیں۔ وہ خلوص سے تعلیم دینے کے ساتھ ساتھ اپنے گھر کا سارا کاروبار بھی خود کیا کرتے تھے۔ گھر کے لیے سودا خواہ زیادہ ہو یا کم اور ضرورت کی دیگر اشیاء میاں صاحب پایادہ بازار سے خود جا کر خریدتے تھے اور اپنے اوپر لاد کر گھراتے تھے۔ اس اثناء میں بھی وہ تعلیم و تدریس سے نہیں چوکتے تھے۔ طلبہ ان کے ساتھ ہو جاتے تھے اور وہ راستے میں انہیں تعلیم دیتے چلتے تھے۔ طلبہ اصرار کرتے کہ حضرت ہ میں دیجئے۔ ہم ان چیزوں کو گھر پہنچادیں، لیکن وہ کسی طرح گوارا نہ کرتے۔ پیٹھ پر گھڑی پڑی ہوئی ہے، سب ہو رہا ہے مگر یہ پسند نہیں کہ اپنا نچی کام طلبہ سے لیں۔

مولانا قاری عبدالرحمن صاحب محدث پانی پتی (اللہ کی ان پر رحمت ہو) اسی وضع کے ایک اور خودار اور مخلص استاد گذرے ہیں۔ مولانا حالی ان کے شاگرد تھے۔ ایک بار انہوں نے ایک خط لکھا اور اس انتظار میں تھے کہ اپنا ملازم نظر پڑے تو اس سے ڈاک میں ڈلوایا جائے۔ اتفاق سے ان کے ایک شاگرد کو پتا چلا گیا کہ استاد کو خط ڈلوانا ہے۔ اس نے حاضر خدمت ہو کر عرض کیا۔

”لایئے خط میں ڈال کر آؤ۔“ اور بے حد اصرار کیا۔

شاگرد کے اصرار پر انہوں نے فرمایا!

مزدور کی اجرت

ایک دفعہ کا ذکر ہے راشد نام کا ایک شخص تھا۔ اس کے گھر کے پچھلی دیوار بارش کی وجہ سے گر گئی تھی۔ دیوار کی مرمت کے لیے راشد نے چند مزدور بلائے۔

مزدوروں نے صبح یہ کام شروع کیا اور شام ہوتے ہوتے اسے مکمل کر دیا۔ راشد نے تمام مزدوروں کو ان کی مزدوری دی۔ لیکن ایک مزدور اپنی مزدوری لیے بغیر چلا گیا۔

راشد نہایت شریف اور ایماندار آدمی تھا۔ وہ اللہ سے ڈرتا تھا۔ اس نے مزدور کی اجرت کو اپنے ذاتی فائدے کے لیے استعمال نہیں کیا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ مزدور کی اجرت ایک امانت ہے۔ امانت کو اس مزدور تک پہنچانا ضروری ہے۔ راشد نے اس مزدور کے روپیوں کو کاروبار میں لگایا جس سے اسے بہت فائدہ حاصل ہوا۔ کافی عرصہ کے بعد وہ مزدور اپنے روپیے لینے کے لیے راشد کے پاس آیا۔ مزدور ڈر رہا تھا کہ کہیں راشد اسے پہچاننے سے انکار نہ کر دے اور روپیہ نہ دے کیونکہ بہت دن ہو چکے تھے۔ مزدور کو پیسے کی سخت ضرورت تھی۔

مزدور نے راشد سے کہا اے اللہ کے بندے! مہربانی کر کے میری اجرت دے دے۔ راشد نے اسے پہچان کر کہا یہ بکریاں، اونٹ، گائے وغیرہ دیکھ رہے تو یہ سب تمہارے ہی ہیں۔ مزدور حیران ہو گیا اور سوچنے لگا شاید راشد مجھ سے مذاق کر رہا ہے۔ مزدور نے کہا مذاق نہ کرو۔ راشد نے جواب دیا یہ مذاق نہیں ہے۔ یہ سب حقیقت ہی ہیں۔ میں نے تمہارے روپیوں کو اپنے کاروبار میں لگا دیا تھا۔ جس کا فائدہ گائے، اونٹ اور بکریوں کی شکل میں حاصل ہوا۔ مزدور وہ تمام جانور لے کر شکر یہ ادا کرتا ہوا خوشی خوشی اپنے گھر لوٹ گیا۔ اللہ تعالیٰ راشد کی شرافت اور ایمانداری پر بہت خوش ہوا۔

ایک مرتبہ راشد سفر کر رہا تھا۔ اچانک بارش شروع ہو گئی۔ بارش سے بچنے کے لیے راشد نے ایک غار میں پناہ لی۔ اتنے میں چٹان اوپر سے پھسل کر گری اور غار سے باہر جانے کا راستہ بند ہو گیا۔ راشد نے غار سے نکلنے کی بہت کوشش کی لیکن وہ اتنی وزنی چٹان کو ہٹا نہ سکا۔ جب وہ اپنی زندگی سے مایوس ہو گیا۔ اس نے اللہ سے گڑگڑا کر دعا کی۔ ”اے اللہ میں نے جو مزدور کے ساتھ بھلائی کی وہ صرف آپ کی خوشی کے لیے تھی۔ اب تو اس نیکی کی وجہ سے مجھے اس مصیبت سے بچالے“ اللہ نے اس کی دعا قبول کی اور اس چٹان کو راستے سے ہٹا دیا اور راشد کی جان بچ گئی۔

پیارے بچو! اگر کوئی تمہارے پاس اپنی چیز رکھے یا بھول جائے تو وہ چیز امانت ہوتی ہے۔ اسے بلا اجازت ہم استعمال نہیں کر سکتے۔ اس کو لوٹانا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ امانت دار کو ہر مصیبت سے محفوظ رکھتا ہے۔

بدزبانی

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب دو شخص آپس میں گالی گلوچ کریں تو گناہ آغاز کرنے والے پر ہوگا جب تک کہ مظلوم زبانی نہ کرے۔ (مسلم)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول خدا ﷺ کے پاس آنے کی اجازت چاہی۔ آپؐ نے فرمایا کہ اچھا اسے آنے کی اجازت دے دو (مگر) وہ اپنے قبیلے کا برا بیٹا ہے یا (آپؐ نے فرمایا کہ) وہ اپنے قبیلے کا برا آدمی ہے۔ لیکن جب وہ شخص داخل ہوا تو آپؐ نے اس کے ساتھ نرمی سے گفتگو فرمائی۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں نے آپؐ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپؐ نے اس کے بارے میں جو کچھ فرمایا پھر آپؐ نے اس کے ساتھ نرمی سے گفتگو کی۔ آپؐ نے فرمایا: اے عائشہ! قیامت کے دن اللہ کے نزدیک مرتبے میں سب سے برا آدمی وہ ہوگا جس کی بدزبانی سے بچنے کے لیے لوگ اسے چھوڑ دیں۔ (مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ چار چیزیں ایسی ہیں کہ جس میں پائی جائیں وہ خالص منافق ہے اور جس میں ان چار خصلتوں میں سے کوئی ایک خصلت ہو تو اس میں نفاق کی ایک خصلت ہے۔ یہاں تک وہ اسے چھوڑ دے۔ وہ چار خصلتیں یہ ہیں کہ!

جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے اور جب بات کرے تو جھوٹ بولے اور جب وعدہ کرے تو اسے پورا نہ کرے اور جب جھگڑا کرے تو بیہودہ گوئی کرے۔ (بخاری)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ کبیرہ گناہ ہوں میں سے ہے کہ کوئی شخص اپنے والدین کو گالی دے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا کوئی شخص اپنے والدین کو بھی گالی دیتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ ہاں، ایک شخص کسی دوسرے شخص کے باپ کو گالی دیتا ہے تو وہ پھر اس کے باپ کو گالی دیتا ہے اور کوئی دوسرے کی ماں کو گالی دیتا ہے تو پھر اس کی ماں کو گالی دیتا ہے (تو گویا اس نے اپنے والدین کو خود ہی گالی دی۔ نہ کسی کے والدین کو گالی دیتا نہ وہ اس کے والدین کو گالی دیتے) (مسلم)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم زبان کے بارے میں اتنے محتاط تھے کہ شریروں کی شرارت کے جواب میں بھی سخت کلامی کو پسند نہیں فرماتے۔

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ کچھ یہودی، حضورؐ کے پاس آئے اور اسلام علیکم کہنے کے بجائے از روئے شرارت السلام علیکم کہا (جس کا مطلب ہے، تم پر موت آئے، نعوذ باللہ) اس پر حضرت عائشہؓ نے (غصے سے) کہا کہ تمہیں پر موت آئے اور تم پر خدا کی لعنت ہو اور تم پر خدا کا غضب ٹوٹے۔ (اس پر) حضورؐ نے فرمایا: ٹھرو ٹھرو، اے عائشہؓ نرمی کا رویہ اختیار کرو اور سختی اور بدزبانی سے بچو۔ (بخاری)

یحییٰ بن سعید بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ بن مریمؑ کے سامنے ایک سو آیا اور آپ نے فرمایا کہ چلا جا سلامتی سے۔ آپ سے کہا گیا کہ کیا آپ سو کو ایسے کہتے ہیں (یعنی اسے تو لوگ دھتکارتے اور برا کہتے ہیں) تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں ڈرتا ہوں کہ میری زبان بری بات چیت کی عادت نہ ہو جائے۔ (موطا)

بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ کوئی تکلیف آئے، کسی پریشانی سے دوچار ہونا پڑے تو زمانے کو گالیاں دینا شروع کر دیتے ہیں۔ حضورؐ نے اس فضول حرکت سے منع فرمایا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی یہ نہ کہے کہ ”زمانے کی خرابی ہو!“ کیونکہ اللہ تعالیٰ خود زمانہ ہے۔ (موطا)

یہ جو حضورؐ نے فرمایا کہ ”اللہ تعالیٰ خود زمانہ ہے“ اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں جو کچھ بھی ہوتا ہے خدا کے حکم سے ہوتا ہے زمانے کے حکم سے نہیں ہوتا۔ اس لیے اگر تم زمانے کو برا کہو تو گویا ایسا کہنا خدا کے حضور میں گستاخی کرنا ہوگا۔

ایسے ہی بعض لوگ جب کسی ناپسندیدہ صورت حالات میں گھر جاتے ہیں تو عام لوگوں کو برا بھلا کہنا شروع کر دیتے ہیں ایسا صرف اپنے دل کے غضب کو ٹھنڈا کرنے کے لیے کہا جاتا ہے، ورنہ برا بھلا کہنے والوں کو خود بھی پتہ ہوتا ہے کہ ان کی اس پریشانی کے سلسلے میں عام لوگ بالکل بے قصور ہیں۔ اگر ان کی اس تکلیف کا سبب کوئی انسان ہی ہے تو پھر وہ کوئی ایک انسان یا چند انسان ہوں گے، سبھی لوگ تو نہیں ہوں گے۔ مگر وہ اپنے غم و غصے کا اظہار کرنے کے لیے سبھی لوگوں پر پل پڑتے ہیں۔ یہ ایک ناپسندیدہ حرکت ہے اور حضورؐ نے اسے ناپسند فرمایا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ ہی سے ایک روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ جب تم کسی شخص کو یہ کہتے سنو کہ ”لوگ تباہ ہوں“ تو وہ خود سب سے زیادہ تباہ ہونے والا ہوگا۔ (موطا)



پکار

مسلمانوں کا ایک بحری جہاز سندھ کے ہندو راجہ داہر کی شہ پر سمندری قزاقوں نے لوٹ لیا۔ بے شمار مردوں کو قتل کر دیا گیا۔ عورتوں اور بچوں کے ساتھ ساتھ بیچ جانے والے بوڑھے اور جوان افراد کو قیدی بنا لیا گیا۔ تمام مال و اسباب پر قبضہ کر کے معاملہ داخل دفتر کر دیا گیا۔

روایت ہے کہ جب ہندو قزاق مسلمان مردوں اور عورتوں اور بچوں کو لوٹ رہے اور مار رہے تھے تو ایک عورت نے ساحل سمندر پر کھڑے ہو کر زور زور سے مدد کے لیے پکارتے ہوئے کہا۔

”اے حجام ہماری مدد کو آ۔“

حجاج بن یوسف ثقفی بصرہ کا گورنر تھا۔ قدرت الہی کا معجزہ ہے کہ پکارا سے خواب سے بیدار کر گئی۔ وہ بے چین ہو کر بستر سے اٹھ گیا۔ مظلوم عورت کی درد بھری پکارتی ہوئی آواز نے اسے دوبارہ بستر پر جانے ہی نہ دیا اور وہ تمام رات ننگے پاؤں فرش پر ٹھلتا رہا۔

صبح ہوتے ہی اس نے معاملے کی تحقیق کا حکم دے دیا۔ اسے نجانے کیوں یقین تھا کہ اس پکار میں کوئی نہ کوئی حقیقت ضرور پوشیدہ ہے۔ چند روز بعد ہندوستان سے آنے والے کچھ لوگ اس کے دربار میں پہنچے اور مسلمانوں پر ہونے والے ظلم و ستم کا ماجرا کہہ سنایا۔ ایک شخص نے یہ بھی کہا کہ ایک مسلمان عورت نے اس کا نام لے کہا تھا۔

”اے حجاج، ہماری مدد کو آ۔“

حجاج زخمی شیر کی طرح تڑپ کر اٹھ کھڑا ہوا اور بے ساختہ اس کی زبان سے نکلا۔

”لیک میری بہن، میں آ رہا ہوں۔“

حکومتی معاملات کی اپنی مجبوریاں ہوتی ہیں لیکن حجام کسی مجبوری کا پابندی نہیں تھا۔ وہ جو سوچ لیتا تھا، کر گذرتا تھا۔ اس نے فوراً ایک وفد تشکیل دیا اور سندھ کے راجہ داہر کی طرف روانہ کر دیا۔

سفارتی وفد دن رات سفر کرتا ہوا کم سے کم وقت میں داہر کے دربار میں پہنچا اور حجاج گورنر بصرہ کا پیغام سنایا۔ ”تمہارے علاقے میں مسلمانوں کا بحری جہاز لوٹا گیا، ان کو قتل کیا گیا اور زندہ بچنے والوں کو قیدی بنا لیا گیا۔ فوری طور پر ان قیدیوں کو رہا کر کے ان کے لوٹ لیے جانے والے مال و اسباب سمیت ان کو بصرہ روانہ کر دو کہ ایک اچھا حاکم

ہونے کے سبب یہ تمہارا فرض ہے۔“

داہر نے پیغام سنا اور ان سنا کر دیا۔ اس نے لا پرواہی سے کہا۔ ”بحری قزاقوں پر میرا بس نہیں چلتا۔ میں کچھ نہیں کر سکتا، تم جاسکتے ہو۔“

سفارت کے امیر نے یہ کھر دراجواب سن کر بڑے ضبط کے ساتھ کہا۔ ”ہماری اطلاع کے مطابق مسلمان قیدی تمہاری جیلوں میں ہیں۔“ ان کے بارے میں تمہارا کیا جواب ہے۔“

داہر نے غصے میں لال پیلا ہو کر بولا۔ ”اول تو یہ غلط ہے اور اگر یہ درست بھی ہو تو میں انہیں رہا کرنے سے انکار کرتا ہوں۔ تم جو چاہتے ہو کر لو۔“

امیر سفارت نے تیوری ڈال کر کہا۔ ”کیا یہ تمہارا آخری جواب ہے۔“

داہر نے تخت پر ہاتھ مار کر گرجا۔ ”ہاں ہاں، آخری اور اٹل جواب۔“

سفارت واپس لوٹ آئی۔ حجاج نے سرخ آنکھوں اور جلتے کانوں سے داہر کا جواب سنا۔ جونہی امیر سفارت خاموش ہوا تو وہ پھٹ پڑا۔

”بد نصیب ہے وہ ہندو مشرک، اسے معلوم نہیں کہ حجاج کس طوفان کا نام ہے۔“

چند دنوں کے اندر اس نے ایک مختصر لشکر تیار کیا۔ اپنے بھتیجے اور داماد محمد بن قاسم کو اس کی کمان سونپی اور ہندوستان کی طرف روانہ کرتے ہوئے کہا۔

”میں ناکامی کی خبر نہ سن پاؤں گا بھتیجے۔“

محمد بن قاسم نے ادب سے کہا۔ ”آپ اطمینان رکھیے امیر، میں آپ کی طرف سے جس ذمہ داری کا بوجھ کندھوں پر لے جا رہا ہوں اس کو داہر کی ارتھی پر ہلکا کروں گا۔“

”فی امان اللہ۔“ حجاج نے اسے ماتھا چوم کر رخصت کرتے ہوئے کہا۔ ”میں بے چینی سے فتح کی خبر کا انتظام کروں گا۔“

”اور یہ خبر انشاء اللہ آپ کو جلد ملے گی امیر۔“ محمد بن قاسم نے ایک عزم سے کہا۔

پھر سترہ سال کا یہ نوجوان سپہ سالار اپنی چھوٹی سے فوج کے ساتھ دیہیل موجودہ کراچی سندھ کی بندرگاہ پراترا۔ راجہ داہر اس ننھی سی فوج کو دیکھ کر حقارت سے ہنسا مگر جب اس گنی چنی فوج نے اس کی مضبوط، بے حد حساب اور طاقتور فوج کو شکست فاش سے دوچار کر دیا تو اس کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا اور جب ایک مجاہد کی تلوار نے اس کی گردن اڑائی تو تب بھی اس

کی آنکھوں میں حیرت موجزن تھی۔

محمد بن قاسم نے جب مسلمان قیدیوں کو رہا کرا کے دیہل کی فتح کی خبر کے ساتھ حجاج بن یوسف کی طرف روانہ کیا تو سجدہ شکر جہاں اس کی پلک سے ادا ہو رہا تھا وہیں ہزاروں میل دور بیٹھے بصرہ میں حجاج کے دل کو بھی فرار سا آ گیا تھا۔ شاید یہ اس مظلوم عورت کی پکار کے جواب میں اپنا وعدہ پورا کر دینے کے بعد کا قدرتی اثر تھا۔



پیارے نبی ﷺ سے محبت

مسلمانوں کی نصرانیوں سے ایک عرصے سے جنگ چلی آرہی تھی۔ ایک بار نصرانیوں نے پیارے نبی کی پاک لاش کی بے حرمتی کا منصوبہ بنایا اور اس کی تکمیل کے لیے اپنی قوم کے دو آدمی مامور کیے جو مراکشی حاجیوں کے بھیس میں مدینے پہنچے۔ ان لوگوں نے روضہ پاک کی مغربی جانب مسجد کی دیوار سے متصل ایک ویران مکان پر قبضہ کیا اور وہیں رہنے سہنے لگے۔ ظاہراً بڑے زہد و تقویٰ کی زندگی گزارتے تھے۔ صورت سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ بڑے عبادت گزار ہیں۔ مدینے والے ان کے فریب میں آگئے۔

مدینے والوں کو اپنی طرف سے اطمینان دلانے کے بعد وہ اپنے منصوبے پر عمل پیرا ہوئے۔ انہوں نے اس مکان سے سرنگ کھودنی شروع کی۔ قریب ہی ایک گڑھا تھا، سرنگ سے نکلی ہوئی مٹی یہ لوگ اس گڑھے میں بھر دیتے اور راستہ میں لے جا کر میدان میں ڈال آتے۔

ایک عرصے تک یہ حرکت جاری رہی، قریب تھا کہ نبی کریم کی قبر مبارک تک جا پہنچیں اور نعوذ باللہ آپ کے جسد مبارک کی بے حرمتی کریں کہ دمشق کے مشہور سلطان نور الدین زنگی نے حضور کو خواب میں دیکھا۔ وہ تین دن برابر حضور اکرم کو خواب میں دیکھتا رہا۔ ہر مرتبہ حضور دو شخصوں کی طرف اشارہ کر کے فرماتے کہ ”نور الدین“ مجھے ان دونوں کے شر سے بچاؤ۔“

اس خواب سے سلطان کو یقین ہو گیا کہ مدینہ منورہ میں ضرور کوئی افتادہ پڑی ہے، جس سے سرور عالم کی روح مبارک بے قرار ہے۔

تیسرے دن بیدار ہوتے ہی سلطان مدینے کی طرف روانہ ہو گیا۔ بہت سا روپیہ پیسا ساتھ لایا تھا۔ مدینے پہنچ کر خیرات عام کی منادی کرا دی۔ تمام لوگ انعام و اکرام کے لیے آئے۔ سلطان نے یہ ترکیب اس لیے کی تھی کہ اس طرح ان دونوں آدمیوں کی صورت پہنچانے میں آجائے گی۔ مگر وہ دونوں نظر نہ آئے۔ دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ سب لوگ تو آچکے۔ صرف دو خدا رسیدہ بزرگ تشریف نہیں لائے۔ یہ دونوں ہمیشہ عبادت میں مصروف رہتے ہیں۔ اسی لیے کسی سے ملتے جلتے نہیں۔ سلطان نے انہیں بھی حاضر ہونے کا حکم دیا۔ ناچار حاضر ہوئے، سلطان پہچان گیا۔ یہ دونوں وہی تھے جن کی طرف خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اشارہ فرما چکے تھے۔

سلطان ان کے ساتھ ان کی جائے قیام پر گیا۔ بظاہر گھر کے درود یوار سے اندازہ ہوتا تھا کہ دونوں بہت ہی عبادت گزار ہیں۔ طاق پر قرآن پاک اور پند و نصائح کی کتابیں رکھی تھیں۔ فرش پر بوریا بچھا ہوا تھا۔ بادشاہ نے بوریا اٹھا کر دیکھا تو اس خوف ناک حقیقت کا انکشاف ہوا۔

سلطان نے ساری حقیقت دریافت کی۔ ان لوگوں نے اپنی منصوبہ بیان کیا اور بتایا کہ قریب تھا کہ ہم مدینے والوں کی آنکھ میں دھول جھونک کر تمہاری پیغمبر کی قبر تک پہنچ جائیں کہ دفعۃً آسمان پر بادل گر جا، سخت ہوائیں چلنے لگیں، زلزلہ آیا اور اس کے بعد آپ پہنچ گئے۔

سلطان یہ سن کر زار و قطار رونے لگا۔ غصے میں بھر کر اٹھا اور دونوں ملعونوں کی گردنیں اڑادیں اور ان کی ناپاک لاشیں آگ کے حوالے کر دیں۔ پھر حجرہ نبوی کے گرد ایک گہری خندق کھدوائی اور اس میں پگھلا ہوا سیسہ بھرا دیا تاکہ پھر کوئی ملعون اس قسم کی گستاخی کی جرأت نہ کر سکے۔



حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے میں پیدا ہوئیں۔ آپ حضرت ابوبکر صدیق کی صاحبزادی تھیں۔ والدہ کا نام ام رومان رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھا۔

آپ بچپن ہی سے نہایت ذہین تھیں۔ تاریخ اور ادب کی تعلیم انہوں نے اپنے والد سے حاصل کی تھی۔ پھر نو عمری میں جو علم حاصل کرنے کا بہترین زمانہ ہوتا ہے، انہیں نبی اکرمؐ کا ساتھ میسر آ گیا۔ آپ کا حجرہ مسجد نبویؐ کے برابر میں تھا۔ رسول پاکؐ روزانہ مسجد نبویؐ میں لوگوں کو جو تعلیم دیتے تھے وہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کو اپنے حجرے میں صاف سنائی دیتی تھی۔ اس طرح دینی اور دنیاوی دونوں قسم کے علوم آپؓ کو حاصل ہو گئے۔ بڑے بڑے صحابہؓ مشکل مسائل میں آپؓ سے رہنمائی حاصل کرنے آتے تھے۔ عالمہ ہونے کے ساتھ ساتھ تقریر کرنے میں آپؓ کو کمال حاصل تھا۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے بعد تقریر کرنے میں آپؓ ہی کا نام آتا ہے۔

حضور پاکؐ سے آپؓ کا نکاح ہجرت سے تین سال قبل مکہ ہی میں ہو گیا تھا۔ رخصتی ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں ہوئی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نبی کریمؐ سے بے انتہا محبت اور عقیدت رکھتی تھیں اس لیے گھر میں خادم ہوتے ہوئے بھی حضورؐ کا ہر کام آپؓ خود کرتی تھیں۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کے صبر و شکر اور سادگی کا یہ حال تھا کہ آپؓ کے پاس کپڑوں کا صرف ایک جوڑا تھا۔ اسی کو آپؓ دھو دھو کر پہنتی رہتی تھیں۔ آپؓ کے حجرے کی دیواریں مٹی کی تھیں، چھت کھجور کے پتوں اور ٹہنیوں کی تھی۔ دھوپ اور بارش سے بچنے کے لیے اس کے اوپر ایک کمبل ڈال دیا گیا تھا۔ حجرے کی اونچائی اتنی تھی کہ کھڑے ہو کر ہاتھ چھت سے لگ جائے۔ دروازے پر ایک کمبل کا پردہ پڑا رہتا تھا۔ گھر کا کل سامان ایک چار پائی، ایک چٹائی، ایک بستر، ایک تکیہ، آٹا اور کھجوریں رکھنے کے لیے دو مٹکے، پانی کا ایک گھڑا اور پانی پینے کا ایک پیالہ تھا۔ گھر میں مہینے مہینے بھر پکانے کو کچھ نہیں ہوتا تھا۔ صرف کھجوروں اور پانی پر گزارہ ہوتا۔ آپؓ اکثر روزے رکھا کرتی تھیں۔ فرض نمازوں کے علاوہ تہجد اور چاشت کی نماز بھی پابندی سے ادا کرتی تھیں۔

آپؐ نہایت سخی خاتون تھیں۔ جو رقم آتی تھی خدا کی راہ میں خیرات کر دیتی تھیں۔ ایک بار آپؐ کے پاس ستر ہزار درہم آئے۔ آپؐ نے ان میں سے ایک درہم بھی اپنے پاس نہ رکھا۔ سب راہ خدا میں دے دیے۔ آپؐ کی بہادری بھی قابل ذکر ہے۔ جنگ احد کے موقع پر بڑے بڑے بہادروں کے پاؤں اکھڑ گئے تھے۔ لیکن اس خطرناک موقع پر آپؐ کا ندھے پر مشکیزہ لیے لپک لپک کر زخمیوں کو پانی پلا رہی تھیں۔ انہیں خوبیوں کی بناء پر نبی اکرمؐ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بہت محبت کرتے تھے۔ انتقال سے قبل جب حضور پاکؐ کی طبیعت زیادہ ناساز ہو گئی تو آپؐ نے دوسری ازواج سے اجازت لے کر حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حجرے میں قیام فرمایا تھا۔ آپؐ کا انتقال اسی حجرے میں ہوا۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ ۵۸ھ میں رمضان کے مہینے میں بیمار پڑیں اور چند روز بیمار رہ کر ۱۷ رمضان کو آپؐ نے انتقال فرمایا۔ آپؐ کی نماز جنازہ حضرت ابو ہریرہؓ نے پڑھائی اور آپؐ کی وصیت کے مطابق جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔



حضرت داؤد علیہ السلام

کھیت والا رو رو کر اپنا حال سنارہا تھا، حضور! اس آدمی نے مجھ پر ظلم کیا ہے۔ مجھے برباد کیا ہے۔ میرے کھیت میں فصل بالکل تیار تھی۔ اناج دو ایک دن میں کٹنے ہی والا تھا مگر اس نے اپنی بکریوں کو نہیں روکا۔ سب کی سب میرے لہلہاتے ہوئے کھیت میں گھس گھس گئیں اور دیکھتے ہی دیکھتے ساری فصل چٹ کر ڈالی۔ میں نے روکنے کی بہت کوشش کی مگر ایک دو بکریاں ہوتی تو روک بھی لیتا۔ یہ تو ہیٹری کی ہیٹری تھی۔ سب کھا گئیں۔ حضور میں برباد ہو گیا۔ تباہ ہو گیا۔ اب میں کیا کروں؟ کیسے گزارا ہوگا؟ میرے بال بچے بھوکے مریں گے۔ حضور انصاف کیجئے۔ میرے حال پر رحم کیجئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بادشاہ بنایا ہے۔ میری مدد کیجئے۔“

”جی ہاں حضور، بالکل سچ کہہ رہا ہے۔“

”تم نے اپنی بکریوں کو کیوں نہیں روکا۔“

”میں نے روکا تھا مگر گلہ برا تھا اس لیے روک نہیں سکا۔“

”تم مانتے ہو کہ سارا نقصان تمہاری بکریوں کی وجہ سے ہوا۔“

”جی ہاں، مانتا ہوں۔“

بادشاہ نے دونوں آدمیوں کو غور سے دیکھا۔ کچھ سوچا پھر آہستہ آہستہ کہا، بکریوں کے گلے کی قیمت اتنی ہی معلوم ہوتی ہے۔ جتنا کھیت کا نقصان ہوا ہے۔ اس لیے بکریوں کا گلہ کھیت والے کو دے دیا جائے تاکہ اسے کوئی نقصان نہ ہو اور لا پرواہی برتنے والے کو سزا بھی مل جائے۔“

بادشاہ نے فیصلہ سنا کر اس لڑکے کی طرف دیکھا جو اس کے پاس ہی بیٹھا تھا۔ گیارہ بارہ برس کا یہ لڑکا بادشاہ کا بیٹا تھا۔ جب بادشاہ نے اس کی طرف دیکھا تو وہ کہنے لگا، ”باباجان! آپ نے بڑا اچھا فیصلہ کیا ہے مگر.....“

”مگر کیا.....؟“ بادشاہ نے پوچھا۔

”یوں بھی ہو سکتا ہے کہ بکریوں کا گلہ کھیت والے کو دے دیا جائے تاکہ وہ بکریوں کے دودھ اور بالوں سے فائدہ اٹھائے اور گلے والے سے کہا جائے کہ وہ بھی کھیت میں کام کرے جب کھیت میں نئی فصل تیار ہو جائے تو گلے والے کو اس کا گلہ واپس مل جائے۔ اس طرح نہ کھیت والے کو نقصان ہوگا نہ گلے والے کو نقصان میں رہے گا۔“ بادشاہ کو اپنے ہونہار بیٹے کا

یہ فیصلہ بہت پسند آیا۔

یہ بادشاہ اللہ کے نبی اور رسول حضرت داؤد علیہ السلام تھے اور بیٹے تھے۔ حضرت سلیمانؑ جو خود بھی نبی اور بڑی شان والے بادشاہ ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو ایک کتاب بھی دی تھی جس کا نام زبور ہے۔ وہ جب اللہ تعالیٰ کی بڑائی اور محبت کے گیت گاتے تھے تو کیا انسان کیا حیوان سب پر ایسا اثر ہوتا تھا کہ ہوا میں اڑتے ہوئے پرندے اور دوڑتے ہوئے جانور بھی تھم جاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک اور کمال بھی دیا تھا۔ لوہا ان کے ہاتھ میں بالکل نرم ہو جاتا تھا جیسے کہ موم ہو۔ وہ اس نرم لوہے سے زرہ بناتے تھے۔ زرہ لوہے کا ایک ایسا چھوٹا سا سینہ بند ہوتا ہے جس پر تلوار یا تیر کا اثر نہیں ہوتا۔ اسے جنگ میں دشمن کے حملے سے بچاؤ کے لیے پہنا جاتا تھا۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی بادشاہت شام، عراق، فلسطین اور اس کے آس پاس کے تمام علاقوں میں پھیلی ہوئی تھی۔



شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ

بہت دنوں کی بات ہے۔ عراق کے ایک قصبے جیلان میں ایک ہونہار لڑکا رہتا تھا۔ جس کا نام عبدالقادر تھا۔ اسے بچپن ہی سے لکھنے پڑھنے کا بڑا شوق تھا۔ ابتدائی تعلیم اس نے اپنے قصبے ہی میں حاصل کی۔ اس کے بعد اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے بغداد کا ارادہ کیا۔ بغداد ان دنوں علم و فن کا مرکز تھا۔ دور دور سے لوگ علم حاصل کرنے کے لیے وہاں جاتے تھے۔ اس زمانے میں ریل گاڑی، موٹر اور ہوائی جہاز نہیں تھے۔ اکثر لوگ پیدل یا اونٹوں اور گھوڑوں پر سفر کرتے تھے۔ بہت سے لوگ قافلہ بنا کر چلتے تھے تاکہ راستے میں وقت پڑے تو ایک دوسرے کی مدد کی جاسکے۔

عبدالقادر نے بھی ایک قافلے کے ہمراہ سفر کرنے کا فیصلہ کیا۔ گھر سے رخصت کرتے وقت ماں نے چالیس دینار ان کے کپڑوں میں سی دیے اور نصیحت کی کہ: ”بیٹا! ہرگز جھوٹ نہ بولنا۔ ہمیشہ سچ بولنا۔ سچ بولنے والے سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے اور اس کی ہر مشکل کو آسان کر دیتا ہے۔“ سعادت مند بیٹے نے ماں کی نصیحت پر عمل کرنے کا وعدہ کیا اور قافلے کے ساتھ سفر پر روانہ ہو گیا۔ راستے میں قافلے پر ڈاکوؤں نے حملہ کر دیا اور قافلے والوں کا سارا مال و اسباب لوٹ لیا۔ ایک ڈاکو نے عبدالقادر سے پوچھا: ”لڑکے تیرے پاس کیا ہے؟“ عبدالقادر کو اپنی ماں کی نصیحت یاد تھی۔ اس نے کہا: ”چالیس دینار، ڈاکو اسے اپنے سردار کے پاس لے گیا اور سارا ماجرا بیان کر دیا۔ سردار نے لڑکے سے پوچھا: ”کیا تمہارے پاس واقعی چالیس دینار ہیں؟“ عبدالقادر نے جواب دیا: ”ہاں“۔ سردار بولا: ”کہاں ہیں؟ لاؤ دکھاؤ۔“ اس نے جواب دیا: ”میرے کپڑوں میں سلے ہوئے ہیں۔“ سردار کے کہنے پر اس نے دینار نکال کر اس کے سامنے رکھ دیے۔

ڈاکوؤں کے سردار کو اس بات پر بڑا تعجب ہوا۔ اس نے لڑکے سے پوچھا: ”تم نے ہمیں کیوں بتایا کہ تمہارے پاس اتنے دینار ہیں؟“ لڑکے نے جواب دیا: ”میری ماں کی نصیحت ہے کہ میں ہمیشہ سچ بولوں۔ ماں کی نصیحت پر عمل کرنا میرا فرض ہے۔“ لڑکے کی اس بات کا سردار کے دل پر بڑا اثر ہوا۔ اس نے اپنے دل میں سوچا کہ ”اگر یہ اپنی ماں کا کہا اس قدر مانتا ہے تو ہم اپنے پیدا کرنے والے کا حکم کیوں نہیں مانتے؟“ اس نے اسی وقت قافلے والوں کا مال و اسباب واپس کر دیا اور آئندہ کے لیے برے کاموں سے توبہ کر لی۔

یہی سچا لڑکا آگے چل کر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے نام سے مشہور ہوا۔ مسلمان ان کا نام بڑے ادب اور احترام سے لیتے ہیں۔

امام غزالیؒ اور ڈاکو

امام غزالیؒ اسلام کے بڑے عالموں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ ان کے بچپن ہی سے علم حاصل کرنے کا شوق تھا۔ اپنے گاؤں کے مدرسے میں پڑھ چکے تو دور دور کے شہروں میں جا کر پڑھتے، سیکھتے رہے۔ ایک دفعہ انہوں نے سنا کہ جریان میں ایک بڑے عالم ہیں تو ان کے پاس جا کر علم حاصل کرنے کا شوق ہوا۔ یہ شہر بہت دور تھا اور اس زمانے میں آج کی طرف سفر کرنا آسان نہیں تھا۔ مگر سختی اٹھا کر جریان چلے ہی گئے۔

اس زمانے میں آج کل کی طرح کتابیں نہیں ملتی تھیں کیوں کہ چھاپا خانے نہیں تھے۔ استاد جو کچھ پڑھاتے طلبہ اپنی کاپیوں میں لکھ کر یاد کر لیتے تھے۔ امام غزالیؒ جریان کے مدرسے میں پہنچے تو جماعت کے طلبہ کے ساتھ یہ بھی استاد کے دیے ہوئے سبق اپنی کاپی میں لکھ لیا کرتے۔ کئی مہینے بعد چھٹی ملی تو قافلے کے ساتھ اپنے وطن واپس ہوئے۔

قافلے میں بہت سے آدمی تھے۔ ایک جنگل میں ڈاکوؤں نے حملہ کر دیا اور سب کا مال و اسباب لوٹ لیا۔ امام صاحب کا سامان بھی لوٹ گیا۔ اسی میں ان کی وہ کاپیاں بھی تھیں جن میں انہوں نے استاد کے دیے ہوئے سبق لکھے تھے۔

امام صاحب کو کاپیوں کے لٹ جانے کا بڑا صدمہ ہوا۔ وہ ڈاکوؤں کے سردار کے پاس گئے اور کہا ”میں ایک طالب علم ہوں۔ اپنا وطن چھوڑ کر علم حاصل کرنے کے لیے جریان آیا تھا۔ استاد نے جو کچھ مجھے تعلیم دی، میں نے کاپیوں میں لکھ لی۔ میرے سامان کے ساتھ وہ کاپیاں بھی لے لی گئیں۔ میری اتنے دنوں کی کمائی ضائع ہو رہی ہے۔“

ڈاکوؤں کے سردار امام صاحب کی باتیں سن کر ہنس پڑا۔ کہنے لگا ”میاں تم نے علم کیا خاک سیکھا کہ کاپیاں نہ رہیں تو کورے ہو گئے۔ علم کاپیوں میں ہے اور تم علم سے خالی ہو! یہ لو، لے جاؤ اپنی کاپیاں!“

امام غزالیؒ نے کاپیاں اٹھالیں مگر بہت شرمندہ ہوئے۔ سردار کی بات سے ان کے دل پر چوٹ لگی تھی۔ واپس ہوئے تو دل میں کہنے لگے، اس نے سچ ہی تو کہا۔ ایسا علم کس کام کا کہ کاپی اور کتاب نہ ہو تو ہم کورے رہیں۔ گھر پہنچے تو کاپیوں میں جو کچھ لکھا غور سے پڑھ کر کئی سال میں سب یاد کر لیا اور عالم بن گئے۔



سر سید احمد خان

سر سید احمد خان قومی یکجہتی کے زبردست حامی تھے۔ ان کے لیے ”قوم“ کا مطلب ہندو اور مسلمانوں دونوں تھا۔ انجمن پنجاب کے ایک جلسہ میں انہوں نے لاہور کہا تھا۔ (۳۰ دسمبر ۱۸۷۳ء)

”میں نے اپنی زبان میں کئی دفعہ ”قوم“ کا لفظ بیان کیا۔ اس سے میرا مطلب صرف ”مسلمان“ ہی نہیں ہے۔ میں قوم کی خصوصیت کے واسطے مذہب، فرقہ اور گروہ نہیں پسند کرتا۔ میری تمام آرزو یہ ہے کہ بلا لحاظ قوم و مذہب کے تمام انسان آپس میں ایک دوسرے کی بھلائی پر متفق ہیں۔ مذہب بے شک سب کا علیحدہ علیحدہ ہے مگر اس لحاظ سے آپس میں دشمنی کی کوئی وجہ نہیں ہے۔“

۲۷ جنوری ۱۸۸۳ء کو پٹنہ میں انہوں نے اپنی تقریر میں کہا:

”اے میرے دوستو! ہمارے ملک ہندوستان میں دو قومیں آباد ہیں جو ہندو اور مسلمانوں کے نام سے مشہور ہیں۔ اے عزیزو! ہندوستان ہی ہم دونوں کا وطن ہے۔ ہندوستان کی ہوا سے ہم دونوں جیتے ہیں۔ مقدس گنگا جمننا کا پانی ہم دونوں پیتے ہیں۔ ہندوستان ہی کی زمین کی پیداوار ہم دونوں کھاتے ہیں۔ مرنے جینے میں دونوں کا ساتھ ہے۔ درحقیقت ہندوستان میں ہم دونوں با اعتبار اہل وطن ہونے کے ایک قوم ہیں اور ہم دونوں کے اتفاق اور باہمی ہمدردی اور آپس کی محبت سے ملک کی ہم دونوں کی ترقی اور بہبودی ممکن ہے اور آپس کے نفاق اور ضد و عداوت ایک دوسرے کی بدخواہی سے ہم دونوں برباد ہونے وال ہیں۔“

ایک تقریر میں فرمایا:

”ایک دوسرے کے مددگار بنو۔ سچی محبت، دوستانہ، بردباری رکھو کہ دونوں کی ترقی کا یہی راستہ ہے۔“

ایک تقریر میں فرمایا: اسلام نے ہم کو یہ بھی سکھایا ہے کہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ دوستانہ اور برادرانہ سلوک رکھیں۔“ جس نے جام انسانیت پینا ہے، اس کی یہ خواہش ہوگی کہ ہندوستان کی دونوں قومیں برابر ترقی کریں۔ ہندو ہو یا مسلمان یا ہندوستان کی کوئی قوم ہو، ملک کی بہتری کے لیے سب کو ایک ہونا چاہئے۔“

ایک اور موقع پر فرمایا: ”میں نے بار بار کہا ہے اور کہتا ہوں کہ ہندوستان ایک دلہن کی مانند ہے۔ جس کی خوبصورتی

اور رسیلی دوا نکھیں ہندو مسلمان ہیں۔

اگر دونوں آپس میں نفاق رکھیں گے تو وہ پیاری دلہن بھیگتی ہو جائے گی۔ اور اگر ایک دوسرے کو برباد کر دیں تے تو کانٹری بن جاوے گی۔ اب تم کو اختیار ہے کہ اس دلہن کو بھیگنا بناؤ یا کانٹرا۔“

۲۷ دسمبر ۱۸۹۴ء کو مجھ ن ایجوکیشن سنٹر کانفرنس (علی گڑھ) میں فرمایا تھا۔

”ہماری مثال ان تیلوں کی ہے جو بہ ترتیب ایک بندش سے بندھی ہوں۔ اور وہ بندش ٹوٹ جاوے اور تمام تیلیاں متفرق و پریشان ہو جاویں اور ان کا کچھ انتظام نہ رہے۔ اگر اب ہم پھر اپنی قوم کو قوم بنانا چاہتے ہیں تو ان متفرق تیلوں کو جمع کر کے ایک بندش سے باندھنا ہم کو ضروری ہے۔ افسوس کے پرانا ڈورا جس سے وہ بندھی ٹوٹ گئیں اور ایسا پرانا اور بودا ہو گیا جس سے اب وہ متفرق تیلیاں بندھ نہیں سکتیں اور اس لیے ہم کو ضرورت ایک نیا ڈور پیدا کرنے کی اور ان متفرق تیلوں کو جمع کرنے اور بہ ترتیب دوبارہ باندھنے کی ہے۔ اے دوستو! اگر ہم ایسا نہ کریں تو نہ قوم کو، قوم بنا سکیں گے۔ نہ انسانیت، آدمیت اور قومیت پیدا کر سکیں گے۔“



بیگم حضرت محل

تاریخ ہندوستان میں اودھ کے دوروپ دیکھنے کو ملتے ہیں۔ ایک عیاشی میں ڈوبا ہوا انگریزوں کے خوف سے ہراساں اودھ اور دوسرا اودھ جس کی گلی گلی میں خون کی ندیاں بہیں۔ جس کی عشرت گاہیں قلعے میں بن گئے اور جھوکے توپ کے دہانوں میں تبدیل ہو گئے۔ دوسرے اودھ نے پہلے اودھ کی لاج رکھ لی اور یہ سب مجاہد آزادی بیگم حضرت محل کی بے مثال بہادری کے سبب ہوا۔

لکھنؤ پر انگریزوں نے قبضہ کر لیا تھا۔ ان کے مظالم سے لکھنؤ والے پریشان تھے۔ خوشحال ریاست اودھ پر قبضہ کرنے کے لیے انگریز بے چین تھے۔ ۱۸۵۶ء میں نواب واحد علی شاہ پر عیش پرستی اور سلطنت کی طرف سے لاپرواہی برتنے کے الزامات عائد کر جلاوطن کر دیا گیا۔ انہیں میاں برج بھیج کر انگریزوں نے اطمینان کی سانس لی اور جلد ہی اودھ میں بدانتظامی اور اقتصادی دشواریوں کو دور کرنے کے بہانے قابض ہو گئے۔ ۱۷ جنوری ۱۸۵۷ء کو نانا صاحب پیشوا کان پور سے اور مولوی احمد اللہ شاہ آگرہ سے لکھنؤ پہنچے۔ ان دونوں نے اودھ کی بیگمات سے رہنمائی درخواست کی مگر کوئی بیگم تیار نہ ہوئی۔ صرف حضرت محل نے بے خوفی سے اودھ کی حکومت سنبھالنے اور انقلابیوں کی قیادت کرنے کی حامی بھری۔ اپنے نابالغ بیٹے برجیس قدر کو تخت پر بٹھا کر وہ میدان عمل میں اتر آئیں۔

حضرت محل اپنے نابالغ بیٹے کی طرف سے حکومت چلا رہی تھیں۔ انہیں تمام اختیارات حاصل تھے مگر وہ دوسروں کی طرح ہی قوانین کی پابندی کرتی تھیں۔ ہر معاملہ اپنی جنگی کونسل میں طے کرتی تھیں۔ قیصر باغ کے سامنے ان کی کچھری لگتی تھی جہاں وہ سلطان کے کام کی نگرانی کرتی تھیں۔

انگریزوں کو اودھ میں شکست کا سامنا کرنا مگر وہ اتنی آسانی سے پیچھے ہٹنے والے نہیں تھے۔ انہوں نے کئی محاذ پر جنگ چھیڑ دی۔ احمد اللہ شاہ، بیگم حضرت محل، راجہ بے مل اور بیٹی مادھو سنگھ کی قیادت میں انقلابیوں نے بہادری سے ان کا سامنا کیا مگر عین وقت پر نیپال کے مہاراجہ جنگ بہادر انگریزوں کی مدد کو آ گئے اور لکھنؤ پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا۔ بیگم حضرت محل اپنے بیٹے برجیس قدر اور ساتھیوں کے ساتھ بوری پہنچیں۔ انگریزوں نے صلح کا پیغام بھیجا جسے بیگم حضرت محل نے نامنظور کر دیا۔

۱۸۵۸ء میں بیگم حضرت محل نیپال روانہ ہوئیں جہاں انگریزوں سے پھر ان کا مقابلہ ہوا۔ انگریزی فوج شکست

کھا کر پیچھے ہٹی اور چڑھ کر نیپال کے مہاراجہ سے بیگم اور ان کے ساتھیوں کو نیپال سے نکال دینے کے لیے کہا۔ نیپال کے مہاراجہ نے حضرت محل اور برہمیں قدر کو پناہ دینا منظور کیا مگر ان کے ساتھیوں کو نیپال سے نکل جانے کو کہا۔ بیگم حضرت محل نے اس تجویز کو منظور نہیں کیا۔ انہوں نے کہا۔ ”میں آپ کا ساتھ دینے کو تیار ہوں مگر انگریزوں سے سمجھوتہ کرنے کو ہرگز تیار نہیں۔“

جنگ بہادر کا جواب آیا۔ ”ادھر سے انگریز حملہ کریں گے، ادھر سے ہم..... آپ درمیان میں کچلی جائیں گی۔ ہم آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکتے۔..... آپ کسی اور طرف نکل جائیں۔“

دوسری طرف وفادار دوستوں نے ہردوئی کے تعلقدار راجہ کنور سنگھ تھے جو تنہا لڑتے رہے یہاں تک کہ انگریزوں کی گولیوں نے انہیں بھون دیا۔ شکر پور کے راجہ بنسی مادھو سنگھ نے قلعہ انگریزوں کے حوالے کر دیا مگر کہا کہ ”میں حضرت محل کا خادم ہوں۔ ان ہی کے ساتھ رہوں گا۔“ وہ لڑے، لڑتے رہے یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔

نیپال کے معرکہ کے بعد بیگم حضرت محل کی انقلابی سرگرمیاں سرد پڑ گئیں کیونکہ نیپال کے مہاراجہ نے ان کی رسد روک دی تھی۔ اس وقت اگر گورکھا سپاہیوں نے اپنے مہاراجہ کی قیادت میں بیگم حضرت محل کا ساتھ دیا ہوتا تو آزادی کی تاریخ کچھ اور ہوتی۔

حضرت محل نے انگریزوں کا ہر معاملے پر بہادری سے مقابلہ کیا مگر شکست ان کے نصیب میں تھی۔ انگریزوں نے انہیں طرح طرح کے لالچ دیئے۔ انہیں مرعوب کیا مگر وہ کسی طرح معافی مانگنے کو تیار نہ ہوئیں۔ جس حکومت کے خلاف تلوار اٹھائی تھی اس کے سامنے سر جھکانا گوارا نہ کیا اور تمام مراعات ٹھکرا کر سادگی سے زندگی بسر کرنے کو فوقیت دی۔

بیگم حضرت محل ایک نڈر اور قابل رہنما تھیں۔ ڈبلیو، ایچ، رسل نے ان کے بارے میں کہا۔ ”بیگم میں بڑی طاقت اور قابلیت نظر آتی ہے۔ ہم سے جنگ کا انہوں نے اعلان کیا اور اس پر قائم رہیں۔“

بیگم حضرت محل کا انتقال کاٹھمانڈو میں ۱۸۷۴ء میں ’برف محل‘ میں ہوا۔ یہ عمارت انہوں نے ہی تعمیر کرائی تھی۔ اس پرانے کارچم لہراتا رہتا تھا۔

آزادی کی جس جنگ کا آغاز جون ۱۸۵۷ء میں ہوا تھا اس کی انتہا دسمبر ۱۸۵۷ء میں ہوئی..... بیگم حضرت محل کا ماننا تھا۔ ”یہ ہندوستان کی آزادی کی جنگ کی انتہا نہیں، ابتداء ہے اور واقعی وہ صبح کہتی تھیں..... انتہا تو ۱۹۴۷ء میں ہوئی جب ہندوستان انگریزوں کی قید سے آزاد ہوا۔“

بی اماں

ہندوستان کے سیاسی افتخار پر نمودار ہونے والی اول مسلم پردہ نشین خاتون بی اماں ہیں۔ وہ اول ہندوستانی خاتون ہیں جن کی صدارت میں آل انڈیا خواتین کانفرنس، ہندوستان کی آزادی پر بحث کرنے کے لیے طلب کی گئی ہے۔ یہ کانفرنس ۳۰ دسمبر ۱۹۲۱ء کو احمد آباد، گجرات میں منعقد ہوئی تھی۔

بی اماں، علی برادران، مولانا شوکت علی اور مولانا محمد علی کی والدہ ماجدہ تھیں۔ گاندھی جی خود کو بی اماں کا تیسرا بیٹا کہتے تھے۔ مدن موہن مالویہ وغیرہ کانگریسی رہنما انہیں اماں کہہ کر ہی مخاطب کرتے تھے۔

بی اماں کا اصل نام امانی بانو بیگم تھا۔ ۱۸۵۲ء میں ان کی پیدائش ہوئی۔ مشرقی روایات کی پروردہ نہایت سلجھے ہوئے روشن خیالات کی خاتون تھیں۔ ۱۸۵۷ء میں جب وہ پانچ چھ سال کی تھیں بہادر شاہ ظفر کی گرفتاری اور رنگون میں جلاوطنی کے بعد بی اماں کے آبا و اجداد مراد آباد روہیل کھنڈ میں سکونت پذیر ہو گئے۔ ان کے ایک چچا کو، جن کی عمر ستر سال تھی مراد آباد میں پھانسی کی سزا دی گئی تھی۔ وہ ایسے وطن پرست تھے کہ اس سزا کو ملک کی طرف سے انعام سمجھا اور خود ہی پھانسی کا پھندا گلے میں ڈال لیا۔ دوسرے چچا فرار ہو گئے۔ پھر ان کا پتہ نہ چلا۔ بی اماں کے والد نے نام تبدیل کر کے تمام عمر گمنامی میں گزار دی۔

بی اماں اٹھارہ سال کی عمر میں بیوہ ہو گئی تھیں۔ محمد علی اس وقت صرف دو سال کے تھے۔ انہوں نے بچوں کی پرورش دل و جان سے کی۔ انہیں والد کی کمی محسوس نہیں ہونے دی۔

انگریزوں سے نفرت کا جذبہ انہوں نے بیٹوں کی گھٹی میں شامل کر دیا۔ علی برادران نے جنگ آزادی میں ملک کی جو خدمات انجام دیں، ہندوستان کی تاریخ اس کی گواہ ہے۔ وہ کہا کرتی تھیں۔ ”سات سال ہوئے میں اپنے بچوں کو خدا کے سپرد کر دیا ہے۔ اللہ ہی اب شوکت اور محمد کی حفاظت کر رہا ہے۔ فرنگی آج تک ان کا ایک ناخن بھی نہیں اکھاڑ سکے لیکن اگر اللہ کی مرضی ہے کہ میرے بچے وطن کی راہ میں قربان ہو جائیں تو بھلا ان کو کون بچا سکتا ہے؟“

وہ جس طرح اپنے بیٹوں کو ملک کے لیے قربان ہونے کا حوصلہ دلاتی تھیں، فرنگیوں کو ملک سے باہر نکال دینے کے لیے اپنا سب کچھ توجہ دینے کا سبق پڑھاتی تھیں۔ وہ سب کو حیرت میں ڈال دیتا تھا۔ ایک وقت تھا کہ راس کمار سے پشاور تک اور کراچی سے آسام تک کی پہاڑیوں میں یہی آواز گونجا کرتی تھی۔

بولیں اتناں محمد علی کی
تم تو جاتے ہو دو برس کو
جان، بیٹا خلافت پہ دے دو
بوڑھی اتناں کا غم نہ کرنا
جان بیٹا خلافت پہ دے دو
کلمہ پڑھ پڑھ کے پھانسی چڑھنا

بی اتناں کی سیاسی زندگی کا آغاز اس وقت ہوا جب علی برادران کو قانون تحفظ ہند کے تحت گرفتار کیا گیا۔ مولانا نے اپنے اخبار لندن ٹائمز کے ایک اشتعال انگیز مضمون کا جواب دیا تھا۔ انہیں چند واڑہ میں پہلے نظر بند رکھا گیا پھر بیٹول جیل میں قید کیا گیا۔ اتناں جی نے اس وقت فخر سے کہا تھا۔ ”یہ عزت (قید) ان لوگوں کے لیے ہے جن کو خدا اپنے مذہب اور اپنے ملک کی خاطر تکلیفیں برداشت کرنے کی طاقت دیتا ہے۔“

بی اتناں نے قومی اتحاد اور ترک موالات میں خصوصاً اپنا کردار بخوبی نبھایا۔ ۲۸ ستمبر ۱۹۱۷ء کو انہوں نے کلکتہ اجلاس میں شرکت کی۔ ۲۳ اگست ۱۹۲۲ء کو انبالہ میں..... جلیان والا باغ میں لگا تار کئی اجلاسوں میں شرکت کی۔

۱۹۲۰ء سے ۱۹۲۲ء تک خلافت تحریک میں حصہ لیا۔ پیرانہ سالی کے باوجود سمرنا فنڈ کے لیے خاصی بڑی رقم جمع کی۔ گاندھی جی بی اتناں پر بہت بھروسہ کرتے تھے۔ ایک مرتبہ جیل جاتے ہوئے انہوں نے بی اتناں کو اپنا قائم مقام بنایا تھا۔ ان کی غیر حاضری میں تمام احکامات بی اتناں سے حاصل کئے جاتے تھے۔ گاندھی جی نے خاص طور پر یہ ہدایت دے رکھی تھی کہ بی اتناں کو کبھی گرفتار نہ ہونے دیا جائے۔

۳۰ دسمبر ۱۹۲۱ء کو احمد آباد میں کل ہند خواتین کانفرنس کی صدارتی تقریر میں انہوں نے کہا تھا ”جو شخص خدا کے ساتھ وفادار نہ ہو وہ کسی بھی حکومت کے ساتھ جسے انسان نے قائم کیا ہو وفادار نہیں رہ سکتا۔ ضرورت ہے کہ ہم اپنے مابین اتحاد و اتفاق پیدا کریں۔ تجربے نے ہمیں یہ سکھایا ہے کہ ہمارے میں ملک میں جو مختلف قومیں اور فرقے آباد ہیں ان میں اتحاد و اتفاق قائم کئے بغیر ہم ملک کو آزاد نہیں کر سکتے۔“

بی اتناں کا ایک خواب تھا جس کے لیے وہ زندگی کے آخری لمحے تک لڑتی رہیں۔ وہ کہا کرتی تھیں۔ ”میں نے لال قلعہ سے اپنا جھنڈا اترتے دیکھا ہے۔ میری آرزو ہے کہ میں فرنگی جھنڈے کو بھی لال قلعہ سے اترتا دیکھوں۔“

۱۳ نومبر ۱۹۲۳ء کو بی اتناں کا انتقال ہوا۔



الطاف حسین حالی

مولانا الطاف حسین حالی اردو کے بڑے ادیب اور شاعر تھے۔ انہوں نے نثر بھی بہت سی کتابیں لکھی ہیں اور بہت ساری نظمیں، غزلیں، قصیدے، مرثیے وغیرہ کہے ہیں۔ مگر بھئی یہ سب تو بڑی عمر کے لوگوں کے لیے ہیں۔ جب تم بچے بڑے ہو گے، خوب پڑھ لو گے تو ان کا کلام پڑھ کر اس کی خوبیوں کو اور اہمیت کو سمجھ پاؤ گے۔ ان کی ایک لمبی نظم ”مسدس حالی“ تو اتنی مشہور اور مقبول ہے کہ شاید ہی اردو میں کوئی اور نظم ہو۔ اس کتاب کے سینکڑوں ایڈیشن چھپے ہیں اور کئی زبانوں میں ترجمے بھی ہوئے ہیں۔

مگر مولانا حالی کو بڑوں سے ہی دلچسپی نہ تھی وہ بچوں کو بھی بہت چاہتے تھے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ بڑوں سے زیادہ بچوں سے پیار کرتے اور ان سے دلچسپی لیتے تھے۔ انہوں نے بچوں کے لیے بھی نظمیں لکھی ہیں۔ کچھ نظمیں بہت چھوٹے بچوں کے لیے بھی لکھی ہیں۔ اس کتاب میں ہم نے یہ سب نظمیں جمع کر دی ہیں۔ اور ان کی کچھ اور مشہور نظموں میں سے آسان شعر لے کر ان کی نظم بنا کر وہ بھی اس میں شامل کر دی ہیں۔ یہ اتنی اچھی اور سادہ ہیں کہ چھوٹے بچے بھی لطف اٹھا سکتے ہیں۔ اس کتاب کی سب سے پہلی نظم، سب سے اول، سب سے آخر، مولانا حالی کی ایک بہت مشہور نظم ”بیوہ کی مناجات“ کے ابتدائی حصے سے لی ہے۔ اسے پڑھ کر تمہیں ایسا لگے گا کہ شعر دل میں اترتے چلے جا رہے ہیں۔ ان میں اللہ میاں کی صفات اور شان اس انداز سے بیان کی گئی ہے کہ سبحان اللہ، اس کی دوسری نظم ”خدا کی شان“ تو بچوں کے لیے ہی کہی گئی ہے۔ اس کی زبان کتنی سرل، میٹھی اور آسان ہے اور کس خوبی سے خدا کی بڑائی اور اس کی مہربانی اور بندوں سے اس کی محبت کو بیان کیا گیا ہے۔

اپنی کئی نظموں میں مولانا حالی نے بچوں کو یہ بتایا اور سکھایا ہے کہ انہیں بزرگوں کا حکم ماننا چاہئے، ان کی خدمت کرنی چاہئے۔ ”کہنا بڑوں کا مانو“ ایک ایسی ہی نظم ہے جس میں ماں باپ، استاد اور دوسرے بزرگوں کا حکم ماننے اور ان کی خدمت اور خیال کرنے کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ بچوں کی اس میں بھلائی ہے کہ وہ بڑوں کا کہنا مانیں کہ وہ ان کے سب سے زیادہ خیر خواہ ہوتے ہیں اور انہیں چاہتے ہیں، جیسا کہ انہوں نے کہا۔

مانے گا جو بڑوں کی، جیتے گا وہ ہی پالا

اور بھی کئی نظموں میں انہوں نے ایسی ہی باتیں سمجھائی ہیں، خاص بچوں کی دلچسپی کی نظمیں ہیں ”مرغی اور اس کے

بچے، ملی اور چوہا“ اور شیر با شکار“ ایک بڑی سی نظم ہے جس کا نام ہے ”پیشے“ یعنی کام طرح طرح کے۔ اس میں بچے اپنی مگال سے کہتے ہیں کہ ہم کیا بنیں گے۔ کسی کو کسان بننا پسند ہے، کوئی فوجی بننا چاہتا ہے۔ کوئی مالی بن کر خوب پھول پھل اگاتا ہے۔ کسی کو بھئی پولیس مین کی وردی پسند آگئی اور کسی صاحب کو ڈاکے کا کام اچھا لگا۔ ایک نے بڑھئی کو پھول پتی بناتے دیکھا تو وہ اسی پر پھسل پڑے کہ اماں میں بڑھئی بنوں گا۔ اس نظم میں بچوں کی زبان اور ان کے شوق بیان کر کے مولانا حالی یہ بتاتے ہیں کہ ہر کام، ہر پیشہ اچھا اور عزت کے قابل ہے اور بچوں کو کسی پیشے کو گھٹیا نہیں سمجھنا چاہئے اور بڑے ہو کر وہ جس کو بھی اپنا کام بنائیں اسے شوق، محنت اور خوبی سے انجام دیں۔

تم روز روٹی کھاتے ہو، چاول کھاتے ہو۔ مگر یہ خیال کبھی نہیں آتا کہ اس کو پیدا کرنے میں کس قدر مشقتیں پڑتی ہیں۔ خاص کر روٹی بنانے میں۔ مولانا حالی نے ”دھان بونا“ میں مختصر طور پر بتایا ہے کہ دھان بڑا نازک پودا ہوتا ہے اور اس کا بونا، کاٹنا، رکھوالی بہت دیکھ ریکھ کے ساتھ کی جاتی ہے۔ دوسری نظم ”روٹی کیوں کر میسر آتی ہے؟“ بڑی نظم ہے۔ وہ بتاتے ہیں کہ یہ روٹی جو ہم کھاتے ہیں خیال بھی نہیں کرتے کہ کن کن منزلوں سے گذر کر اناناج نے روٹی کی شکل اختیار کی ہے اور کن کن لوگوں نے اس کے لیے کیسی کیسی مشکلیں اور محنتیں کی ہیں تب روٹی میسر آتی ہے۔ کسان کس طرح اناناج بوتا، کاٹتا اور اس کو پال پوس کر بازاروں میں فروخت کرتا ہے۔ پھر ماں اناناج خرید کر کیسے اس کو بناتی، پسورتی، گوندھتی اور روٹی پکاتی ہے تب جا کر وہ تمہارا پیٹ بھرتی ہے۔ بڑے سادہ، دل کش اور پراثر انداز میں یہ ساری کہانی شاعر نے تمہیں سنادی ہے کہ کسان کی اور ماں کی محنت کی عظمت اور ان کی محبت دل میں پیدا ہو۔

”چٹھی رساں“، ”موچی“ اور ”سپاہی“ جیسی نظموں میں انہوں نے بتایا ہے کہ یہ لوگ جو بظاہر معمولی اور چھوٹے چھوٹے کام کرتے ہیں کتنے اہم ہیں اور ان کاموں میں انہیں کتنی محنت اور مشقت کرنی پڑتی ہے۔ یہ نہ ہوں تو ہمارے کتنے ہی کام بند ہو جائیں۔ اس لیے ہمیں ان سب کو عزت اور ہمدردی دینی چاہیے۔

ان کی ایک اور بڑی اچھی نظم ہے ”ریس“ ریس کا مطلب ہے کسی کو کوئی کام کرتے دیکھ کر خود بھی اس کام کو کرنے کا شوق پیدا ہونا۔ اس کا ٹیپ کا مصرعہ ہے ”نیک بنو، نیکی پھیلاؤ“ یعنی تم نیکی کرو گے تو دوسرے تم سے یہ نیک کام کرنے کا شوق لیں گے اور اسی طرح چراغ سے چراغ چلے گا۔ نیکی اور اچھائی اور نیکی اور اچھائی پیدا ہوگی۔

گھڑیوں اور گھنٹوں پر بھی انہوں نے بچوں کے لیے ایک نظم کہی۔ اس میں انہوں نے بڑی خوبی اور سادگی سے سمجھایا ہے کہ یہ جو دنیا میں گھڑیاں اور گھنٹے ہیں ان میں کیا کیا اچھائیاں ہیں۔ وہ کس طرح سب ایک وقت میں ایک جیسا کام انجام دیتے ہیں۔ اور یہ سب بتا کر انہوں نے بچوں کو یہ سمجھایا ہے کہ وقت کس قدر قیمتی چیز ہے۔ اس کو ہاتھ سے

گنوانا نہیں چاہیے۔ کہتے ہیں۔

دیتے ہیں سنو غور سے ہر دم یہ دہائی
لو وقت چلا ہاتھ سے کچھ کر لو کمائی
”کمائی“ یعنی کچھ کرم کر دو دنیا میں۔

سیدہ مولانا حالی کی پوتی تھیں جن کو بہت چاہتے تھے۔ ایک نظم جب وہ دو برس کی تھیں تو مولانا نے ان پر کہی تھی۔ کہی تو انہوں نے یہ اپنی ”بچی“ پر ہے مگر ہر ننھی پیاری بچی کے لیے معلوم ہوتی ہے۔ ایک چھوٹی سی، پیاری سی، اچھی تربیت والی، خوبصورت بچی کی کیسی دل کش تصویر کھینچی ہے کہ پڑھنے والا جھوم جھوم اٹھتا ہے۔ بچوں کی عادتوں اور ان کی فطرت کا بڑا گہرا مطالعہ ہے۔ اس میں تمہاری بھی کوئی ننھی بہن، بھانجی یا بھتیجی ہوگی۔ دیکھو اس نظم کو پڑھ کر تمہیں کتنی ہی اس کی باتیں اس بچی میں نظر میں آجائیں گی۔

جیسا ہم نے شروع میں آپ کو بتایا کہ حالی نے بچوں کی نظموں کے ساتھ ساتھ بعض بڑوں کی نظموں میں سے بھی بچوں کی سمجھ اور دلچسپی کے حصے لے کر ان کی نظمیں مرتب کر کے دی ہیں۔ ایک تو شروع میں ہے اور دو نظمیں، ”برکھارت“ یعنی برسات اور ”حب الوطنی“ یعنی وطن کی محبت آخر میں دی گئی ہیں۔ برکھارت میں قدرت کے مناظر، موسم اور حالات کو شاعر نے بڑی خوبی سے دکھایا ہے۔ پہلے گرمی کی شدت کا نقشہ کھینچا ہے اور پھر جب برسات آتی ہے اس وقت کس طرح زمین، آسمان، درخت، پھل، پودے، انسان میں جان سی پڑ جاتی ہے اور کس قدر دنیا میں حسن اور بہار آ جاتی ہے۔ اس کو بڑے اچھے انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ جب آپ بڑے ہو کر اس پوری نظم کو پڑھیں گے تو اور بھی زیادہ لطف آئے گا۔ گرمی کے بعد جب برسات آئے گی تو آپ ہی آپ اس کے سرل، میٹھے اور دل کش شعر تمہاری زبان پر آجائیں گے۔

”حب الوطن“ نظم صرف پڑھنے کے لیے نہیں ہے، اس پر غور کرنا چاہئے اور عمل کرنا چاہیے۔ یہ بہت بڑی نظم ہے جس کے آسان شعر ہم نے اس کتاب میں آپ کی دلچسپی کے لیے دیے دیے ہیں۔ جب تم پوری نظم پڑھو گے تو اس سے اور زیادہ اثر لو گے، سبق لو گے۔ انہوں نے بتایا ہے کہ وطن کی محبت ہر انسان اور ہر جاندار میں مشترک ہے۔ لیکن انسان کو صرف وطن کے زمین و آسمان، پھل، پودوں وغیرہ ہی سے الفت نہیں کرنی چاہیے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ وطن والوں سے یعنی انسانوں سے، اپنے بھائیوں سے بھی محبت کرنی چاہئے۔ جو وطن والے، جو بھائی غریب ہیں، مفلس ہیں بیمار

ہیں، دکھی ہیں ہم کا دکھ درد دور کریں تب ہی وطن کی محبت کا حق ادا کر سکتے ہیں۔ اور اگر ہم انسان ہیں تو یہی ہمیں کرنا چاہیے۔ بولونا حالی کی یہ نظم بہت ہی اہم اور قدر کے قابل ہے۔ اس نظم کا یہ شعر تو سونے کے حرفوں سے لکھا جانا چاہیے۔ وطن سے کہتے ہیں۔

تیری اک مشت خاک کے بدلے
لوں نہ ہرگز بہشت ملے

تو بھی مولانا حالی کی ان نظموں کو پڑھ کر آپ بہت سی اچھی باتیں سیکھیں گے۔ بہت سی معلومات آپ کو حاصل ہوں گی۔ بہت سے سبق ملیں گے۔ ساتھ ہی آپ کو اچھے شعر کا ذوق اور اس کا شوق پیدا ہوگا۔ آپ سمجھیں گے کہ بڑا شاعر بچوں کے لیے بھی جانتا ہے تو ان کے دل میں شعر کا حسن اور دل کشی کا احساس بھی جگاتا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ تمہیں حالی کی نظمیں بہت پسند آئیں گی اور ان سے تم بہت کچھ حاصل کرو گے۔



خواجہ میر درد کا زمانہ

خواجہ میر درد کے نام سے ہر وہ شخص واقف ہوگا جو اردو شاعری کی تاریخ کے بارے میں تھوڑی سی بھی معلومات رکھتا ہے جس نے شاعری کا ذرا سا بھی مطالعہ کیا ہے۔ درد اور ان کے زمانے کے دوسرے شاعروں نے جس طرح شاعری کی اصلاح کی اور اس کے بے کار اور بے ہودہ خیالات سے پاک کیا۔ زبان کو درست اور خوبصورت بنایا اور اس کو اعلیٰ خیالات سے مالا مال کر دیا۔ اس کی بناء پر انہیں اردو شاعری کی عمارت کا ستون کہا گیا ہے اور ان کے زمانے کو اردو شاعری کا سنہرا دور بتایا گیا ہے۔

درد کا نام جو ان کے ماں باپ نے رکھا خواجہ میر تھا۔ جب انہوں نے شاعری شروع کی تو اپنا تخلص درد رکھا۔ یہ تخلص اتنا مشہور ہوا کہ یہی ان کا نام بن گیا۔ تخلص دیکھ کر ایک سوال دماغ میں پیدا ہوتا ہے کہ آخر انہوں نے اپنے لیے اس طرح کا نام کیوں پسند کیا۔ کوئی اچھا سا ہنستا مسکراتا نام کیوں نہیں رکھا۔

غالب نے اپنا تخلص اس لیے رکھا کہ ان کے دل میں سب سے بڑے ہونے کی خواہش تھی۔ زندگی سے بیزاری اور موت کو پسند کرنے کے باعث شوکت علی خان فآئی بن گئے۔ جوش کی طبیعت میں جوشیلا پن اور تیزی تھی۔ اس لیے اپنا تخلص جوش پسند کیا۔

اسی طرح درد نے اپنے لیے یہ تخلص اس لیے پسند کیا کہ ان کے زمانے اور ماحول میں چاروں طرف دکھ ہی دکھ تھا۔ (اس کا تفصیلی حال آگے کے صفحات میں لکھا جائے گا) ایسے میں ہنسی خوشی تو بڑی بات ہے کوئی سکون کا سانس بھی نہیں لے سکتا تھا۔ ہر شخص ان حالات سے متاثر تھا۔ چنانچہ ان کی پوری شاعری اس زمانے کے حالات کی کہانی بن گئی۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنے لیے یہ تخلص (درد) پسند کیا۔ جو ان کے جذبات اور خیالات کے لیے بالکل موزوں تھا۔

یہ تو سب ہی جانتے ہیں اور مانتے ہیں کہ آدمی کی طبیعت اور مزاج کو بنانے میں اس کے خاندان، ماحول اور زمانے کے حالات کو بہت دخل ہوتا ہے۔ آدمی کوئی عادت ماں کے پیٹ سے لے کر پیدا نہیں ہوتا۔ وہ اچھا یا برا جو کچھ بنتا ہے بعد کو ہی بنتا ہے۔ خواجہ میر درد کے گھر اور خاندان کے بارے میں تو بعد کو بتائیں گے۔ پہلے ہندوستان اور خاص طور پر دہلی کے وہ حالات سنا دیں جس میں درد نے زندگی گزاری۔

ہم اس کہانی کا آغاز اس وقت سے کرتے ہیں جب ہندوستان کے تخت پر ظہیر الدین بابر بیٹھا تھا۔ ہندوستان میں

مغلیہ سلطنت کی ابتداء اسی سے ہوتی ہے۔ بابر کے بعد اس کا بیٹا ہمایوں تخت پر بیٹھا۔ ان دونوں بادشاہوں کا زیادہ زمانہ جنگ کرنے اور دشمنوں سے لڑنے میں گذرا۔ اس لیے یہ ملک کی ترقی کی طرف زیادہ توجہ نہ دے سکے۔ اس کے بعد اکبر، جہانگیر، شاہجہاں اور اورنگ زیب ایک ایک بعد ایک تخت پر بیٹھتے رہے۔ ان سب کے زمانے میں حکومت مضبوط اور خوش حال ہو گئی۔ مغل حکومت کا دائرہ وسیع تر ہو گیا۔

انہوں نے اپنی عقل مندی اور انتظامی صلاحیت سے ہندوستان کی تمام ریاستوں کو مغل حکومت کے تحت اور وفادار بنالیا۔ جہاں نرمی سے کام نہ نکلا تو طاقت کے زور سے انہیں اپنے ساتھ ملنے پر مجبور کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مغل حکومت کی طاقت اتنی بڑھ گئی کہ باہر کے کسی بادشاہ کو بھی ان سے مقابلہ کرنے اور ٹکر لینے کی ہمت نہیں ہو سکتی تھی اور وہ طاقتیں بھی جو مغلوں سے پہلے یہاں کی ریاستوں پر حکومت کرتی تھیں انہوں نے بھی یہی بہتر خیال کیا کہ مغل حکومت کی اطاعت قبول کر لیں۔ ہندوستان کی دولت جو پہلے حملہ آور دشمنوں کے قبضے میں چلی جاتی تھی اب ہندوستان کی خوشحالی پر خرچ ہونے لگی اور لوگ چین کی بنسی بجانے لگے۔

ایک قصہ مشہور ہے کہ کسی شخص نے روزی کی تلاش میں پردیس جانے کا ارادہ کیا۔ روانہ ہونے سے پہلے وہ اپنے گرو کے پاس آیا اور اجازت چاہی۔ گرو نے کہا جب تم پردیس پہنچو وہاں کے خدا سے ہمارا سلام کہہ دینا۔ اس شخص نے کہا۔ حضرت! کیسی بات فرماتے ہیں۔ یہاں کا اور وہاں کا کوئی خدا الگ الگ ہے؟ گرو نے کہا کہ جب دونوں جگہ ایک ہی خدا ہے تو وہاں جا کر کیا مل جائے گا۔ یہاں بیٹھ کر خدا سے مانگو جو کچھ مانگنا ہے۔

خیر ذکر یہ ہو رہا تھا کہ خواجہ میر درد بڑی ہمت کے ساتھ اپنی خانقاہ میں زندگی گزارتے رہے۔ مگر دہلی کو چھوڑنا گوارا نہ کیا۔ مولانا محمد حسین آزاد کے الفاظ میں اس کی وضاحت یوں کی جاسکتی ہے۔

”ملک کی بربادی، سلطنت کی تباہی، آتے دن کی غارت اور تاراج کے سبب سے اکثر امراء اور شرفاء کے گھرانے شہر چھوڑ چھوڑ کر نکل گئے۔ مگر ان کے پائے استقلال کو جنبش نہ آئی۔ اپنے اللہ پر توکل رکھا اور جو سجادہ بزرگوں نے بچھایا اس پر بیٹھے رہے۔“

یہ سب تو تھا مگر ان حالات سے متاثر ہونا لازمی تھا۔ کوئی بے حس اور نادان ہی ایسے حالات سے اثر لیے بغیر رہ سکتا تھا۔ چنانچہ خواجہ میر درد کی شاعری میں دنیا کی نائیداری، بے ثباتی اور عبرت کے جو مضامین کثرت سے ملتے ہیں ان کی وجہ یہی حالات ہیں اور ان حالات ہی نے ان کو دنیاوی مسائل و دولت اور شان و شوکت سے بیزار کر دیا۔ اسی کے ساتھ یہ بات بھی عجیب ہے کہ اس زمانے میں اگر ایک طرف حکومت اور ڈنواں ڈول تھی اور اس کی عمارت

روز بروز ٹوٹی جا رہی تھی تو دوسری طرف شعر و ادب، علم و فن کو ترقی ہو رہی تھی۔ کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شاید شعر و ادب کی ترقی کے لیے سیاسی اور سماجی زوال لازمی ہے۔ اس وقت شاید شاعر اپنی تھکن کو شعر و نغمہ سے دور کرنا چاہتا ہے۔ تاریخ سے پوچھو تو بتائے گی اس وقت جب نادر شاہ اور احمد شاہ کے حملوں سے دلی کے درو پوار گونج رہے تھے۔ اس وقت میر درد اور سودا کے نغمے زمین شعر کی آبیاری کر رہے تھے اور جب بہادر شاہ ظفر کو جلا وطن کیے جانے کی تیاری تھی اور انگریزوں کے قدم ہندوستان میں مضبوط ہو رہے تھے اس وقت غالب، مومن، ذوق آسان شاعری پر چمک رہے تھے۔ کسی سے اگر یہ پوچھا جائے کہ شعر و ادب کا سنہرا دور کون سا ہے تو وہ بے اختیار اسی زمانے کو کہے گا جو خواجہ میر درد کا ہے۔ صرف دہلی میں اتنے شاعر، ادیب اور فنکار جمع ہو گئے تھے زمانے نے لاکھ ترقی کی مگر اس درجہ کے لوگ پھر نظر نہ آئے۔

خاندان

خواجہ میر درد کے ماں باپ دونوں سادات خاندان سے تھے۔ یہ وہ خاندان ہے جس کو مسلمانوں میں سب سے زیادہ باعزت اور بزرگ خیال کیا جاتا ہے۔ چونکہ اس خاندان کا سلسلہ رسول اللہ کے خاندان سے جا کر مل جاتا ہے۔ خواجہ میر درد کے ننھیال اور ددھیال دونوں میں بڑے بڑے بزرگ گذرے تھے اور کئی نسلوں سے ان کے خاندان میں قرآن، حدیث اور مذہبی علوم پڑھانے کا سلسلہ چلا آ رہا تھا۔ برسوں سے یہ خاندان بھٹکے ہوئے لوگوں کو راستہ بتا کر اور خدا اور رسول کا فرماں بردار بنا کر کو دین کی خدمت کرتا چلا آ رہا ہے۔ ان کے ددھیال بزرگ حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند، بخارا کے مشہور صوفی اور عالم تھے۔ جس کا سلسلہ آج تک چلا آ رہا ہے اور صوفیوں کا ایک گروہ آج تک ان کے خیالات اور ان کے بتائے ہوئے راستے پر چلتا ہے۔ اپنے ان کے نام سے منسوب کر کے نقش بندی کہتا ہے۔ اسی طرح ان کے ننھیالی بزرگ حضرت عبدالقادر جیلانیؒ بہت بڑے عالم تھے جن کو ہم سب غوث پاکؒ یا بڑے صاحب کے نام سے یاد کرتے ہیں اور جن کو ساری زندگی اسلام کی خدمت، مسلمانوں کی ہدایت، اللہ اور اس کے بندوں کی خدمت اور محبت میں گذری۔ ان کا مزار بغداد (عراق) میں ہے۔ ہزاروں لوگ وہاں زیارت کو جاتے ہیں۔ ان سب کے ذکر کرنے سے مقصد یہ ہے کہ درد کا تعلق کتنے بڑے خاندان اور بزرگ ہستیوں سے تھا۔ ان کے خاندان نے دنیاوی بڑائی حاصل کرنے کی یا بڑے سرکاری عہدے اور ملازمتیں پانے کی کبھی کبھی کوشش نہیں کی بلکہ ان پڑھ اور ناسمجھ لوگوں کو علم کی روشنی دیتے رہے اور اپنے مدرسوں اور خانقاہوں سے نکل کر کبھی کسی بادشاہ یا امیر کے دربار میں حاضری دینے نہ گئے۔

خواجہ میر درد کے پردادا خواجہ محمد طاہر اور نگ زیب کے زمانے میں بخارا سے دہلی آئے۔ اور نگ زیب جو عالموں



اور درویشوں کا بڑا قدر دان تھا۔ اس نے انہیں اور ان کے بیٹوں کو بڑی عزت اور احترام سے اپنے دربار میں جگہ دی۔ ان کے بیٹوں کو اعلیٰ عہدے دیئے اور شاہی خاندان میں ان کی شادیاں ہوئیں۔ مگر خواجہ طاہر کے چھوٹے بیٹے فتح اللہ خان نے شاہی خاندان میں شادی کرنے کی بجائے ایک ایسی لڑکی سے شادی کو جو انہی کی طرح سید خاندان سے تعلق رکھتی تھی۔ انہی کی اولاد میں خواجہ میر درد تھے۔

میر درد کے والد کا نام خواجہ ناصر تھا اور عندلیب تخلص کرتے تھے۔ انہوں نے اپنے باپ دادا کے منصب اور عہدہ کو چھوڑ کر گوشہ نشینی اور درویشی کی زندگی گزاری۔

